تنویر الهدایه

مصنفه

بحر العلوم علامہ سیّد اشرف شمسیؒ

ALLAMA SHAMSI
RESEARCH ACADEMY

علامہ شمسیؒ ریسرچ اکیڈمی

۱-۶-۸۰۶، دائرہ مشیرآباد، حیدرآباد ۵۰۰۰۲۰

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ

ALLAMA SHAMSI RESEARCH ACADEMY

تنویر الہدایہ

مصنف

حضرت علامہ بحر العلوم اشرف العلماء سید اشرف شمسیؒ

علامہ شمسی ریسرچ اکیڈمی

1-6-806، مہدی منزل، دائرہ مشیر آباد، حیدر آباد۔ 500020

ALLAMA SHAMSI RESEARCH ACADEMY

مطبوعات علامہ شمسیؒ ریسرچ اکیڈمی

سلسلہ مطبوعات-۱۲

علامہ شمسیؒ ریسرچ اکیڈیمی

© جملہ حقوق محفوظ بحق علامہ شمسی ریسرچ اکیڈیمی، حیدرآباد

نام کتاب : تنویر الہدایہ

مصنف : حضرت علامہ بحر العلوم اشرف العلماء سید اشرف شمسیؒ

بار : چہارم

سنہ اشاعت : جنوری ۲۰۰۵ء ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ

تعداد اشاعت : ایک ہزار

کمپیوٹر کمپوزنگ : شکیل کمپوزنگ سنٹر- ملک پیٹ، حیدرآباد-۳۶ فون: 24513095 40 91+

مطبع : سوپر فائن آفسیٹ پرنٹرز، چادرگھاٹ، حیدرآباد

ناشر

علامہ شمسیؒ ریسرچ اکیڈمی

1-6-806، مہدی منزل، دائرہ مشیرآباد، حیدرآباد 500020

Ph: 55588316, Cell : 9849170775

اللہ نے دیا ہے

برائے ایصال ثواب

مولوی سید علی یداللہی مرحوم مولوی کامل فرزند اکبر حضرت علامہ بحر العلوم سید اشرف شمسیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض حال

تمام تعریف خدائے بزرگ و برتر کیلئے سزاوار ہے جو خالق کائنات ہے اور انس و جن کی ہدایت پر قادر ہے۔ درود و سلام خاتم الانبیاء والمرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور خاتم ولایت محمدیہ خلیفۃ اللہ میر انسید محمد مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور ان کے آل و اصحاب کرامؓ پر۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ مجھے اپنے جد امجد حضرت علامہ بحر العلوم اشرف العلماء سید اشرف شمسیؒ کی تالیفات کے تحفظ و اشاعت کی توفیق و استطاعت عطاء فرمائی چنانچہ اس مقصد کیلئے جولائی ۲۰۰۲ء میں علامہ شمسی ریسرچ اکیڈیمی کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا اہم ترین مقصد علامہ شمسیؒ کی "تفسیر لوامع البیان" بزبان عربی اور اس کے ترجمہ کی اشاعت کے علاوہ دیگر کتب کی اشاعت بھی ہے۔ الحمدللہ ڈھائی سال کی مختصر مدت میں بشمول کتاب ہذا بارہ کتابوں کی اشاعت عمل میں لائی گئی۔

زیر نظر کتاب "تنویر الہدایہ" کی تالیف حضرت علامہ شمسیؒ نے ذالحجہ ۱۳۳۱ھ نومبر ۱۹۱۳ء میں مکمل کردی جس کے بعد اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ اس پہلی اشاعت میں مصنف علامؒ کے فرزند اکبر وارشد مولوی سید علی یداللہی کا اظہار تشکر اور علامہ کے شاگرد حضرت سید نجم الدین العمی کا دیباچہ شامل ہے۔ مولوی سید علی مرحوم جو میرے نانا ہوتے ہیں انھوں نے عربی کے مشہور شاعر زہیر ابن ابی سلمیٰ کے دیوان کی شرح بھی لکھی تھی جو اس وقت شائع ہوئی تھی۔ مولوی سید علی مرحوم مولوی کامل، فطری شاعر اور قابل ترین فرزند تھے صرف ۲۶ سال کی عمر میں ۱۴ر صفر ۱۳۳۶ھ م ۲۹ر نومبر ۱۹۱۷ء کو خالق حقیقی سے جا ملے جس کا والد علامؒ کے دل و دماغ پر گہرا صدمہ رہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماہ صفر ۱۳۳۶ھ سے قبل ہی "تنویر الہدایہ" کی پہلی اشاعت عمل میں آچکی تھی۔ جبکہ ادارۂ شمسیہ چنچل گوڑہ حیدرآباد نے ۱۳۹۰ھ م ۱۹۷۰ء میں دوسری بار شائع کیا اور مرکزی انجمن مہدویہ حیدرآباد نے ۱۹۹۸ء میں تیسری بار شائع کیا۔ کتاب کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر علامہ شمسی ریسرچ اکیڈمی کے زیر اہتمام چوتھی بار زیور طباعت سے آراستہ کیا جارہا ہے۔

اس میں قارئین کی سہولت کیلئے کتاب میں مذکورہ مشہور محدثین، علماء و ائمہ وغیرہ کا مختصر تعارف بطور حواشی شامل کیا گیا ہے جو جناب شیخ چاند ساجد صاحب معتمد عمومی اکیڈمی نے مرتب کیا ہے۔ تنویر الہدایہ کا انگریزی ترجمہ از حضرت سید یعقوب روشن یداللہی صاحب مہدویہ ریسرچ اینڈ چیاریبل فاؤنڈیشن حیدرآباد کے زیر اہتمام شائع ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری اس کوشش کو شرف قبولیت بخشے، ہمیں ثابت قدم رکھے اور اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین

۲۵ر ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ م ۷ر جنوری ۲۰۰۵ء

سید یداللہ شجیع یداللہی

بانی و صدر علامہ شمسی ریسرچ اکیڈمی

فہرست مضامین

سلسلہ	مضمون	صفحہ نمبر
۱۔	تقسیم ابواب دیباچہ	
	باب اول	
۲۔	وجود مہدی و شرائط مہدیت	۱
۳۔	ضرورت مہدی بعد قرآن و تکمیل دین	۲
۴۔	چار اصول شرع	۷
۵۔	شرایط مہدی	۱۰
۶۔	انبیاء و خلفاء خدا کی بعثت لطف خدا پر موقوف ہے	۱۲
۷۔	پیشین گوئیوں کے حقیقی معنی	۱۳
۸۔	پیشین گوئیوں کا قدر مشترک	۱۴
۹۔	تصدیق مہدی و انبیاءؑ کا ایک معیار	۱۷
۱۰۔	دلیل مہدیت کتاب اللہ و اتباع رسول اللہؐ	۱۸
۱۱۔	حدیث یملاء الارض الخ میں استغراق نہیں ہے	۱۹
۱۲۔	رسول اللہؐ کی اعلان نبوت میں تاخیر	۲۳
۱۳۔	مہدی کے خراسان سے آنے یا عیسیٰ کے ساتھ ہونے کی تردید	۲۵
۱۴۔	احادیث میں مروی اوصاف مہدی علیہ السلام	۲۸
۱۵۔	عصمت دعوت مہدیت کی شرط نہیں	۳۴
۱۶۔	حدیث خسف بیداء مہدی	۳۶
۱۷۔	مہدی عباسی کیلئے احادیث کے وضع کرنے کی بحث	۳۶
۱۸۔	مہدی کا فاطمی اہل بیت رسولؐ سے ہونا	۳۷
۱۹۔	اولاد علی کے احادیث وضع کرنے اور حدیث لا مہدی الا عیسیٰ کی بحث	۴۱
۲۰۔	مہدی کی بعثت ضروریات دین سے ہے اور آپ خاتم دین رسول اللہ ہیں	۴۷
۲۱۔	تعلیمات قرآن کی قسمیں۔ اسلام، ایمان، احسان	۴۸
۲۲۔	آیت الیوم اکملت لکم دینکم کی تفسیر	۵۲
۲۳۔	تبلیغ کی قسمیں	۵۲
۲۴۔	بیان متشابہات قرآن	۵۳
	باب دوم	
۲۵۔	ضرورت و ثبوت مہدی	۵۹
۲۶۔	نفوس انسانی کی حقیقت کی بحث	۶۱
۲۷۔	تبصرہ۔ حالات مہدی	۶۳
۲۸۔	دعوت مہدیت کا بیان	۶۵
۲۹۔	علامات مہدی	۶۷
	باب سوم	
۳۰۔	ثبوت اصول و فرائض میں	۷۰
۳۱۔	تعریف فرض شرعی	۷۲
۳۲۔	مستحب کو فرض کر دینے سے نسخ لازم نہیں آتا	۷۳
۳۳۔	حکم مہدی کو احکام مجتہدین پر ترجیح	۷۴
۳۴۔	بیان صحبت صادقین	۷۶
۳۵۔	تفسیر صادق اور اخلاق کی تبدیلی کے مسائل میں اختلاف	۷۷
۳۶۔	ہجرت کا بیان۔ فرضیت ہجرت کے شرائط	۸۲

		۸۵
۳۷۔	بیان ذکر۔ ذکر فکر میں افضل کیا ہے	۸۸
۳۸۔	اللہ کی ذات ذہناً و خارجاً محدود نہیں ہے	۸۸
۳۹۔	تصور شئ کی بحث	۹۱
۴۰۔	اقسام ذکر	۹۳
۴۱۔	ترک دنیا۔ اقسام غفلت۔ مرید دنیا کا جہنمی ہونا	۹۷
۴۲۔	شرک کے اقسام۔ جلی و خفی	۹۹
۴۳۔	اشتغال مع اللہ اور ترک خودی	۱۰۰
۴۴۔	دیدار خدا کا بیان۔ معتزلہ اور اشعریہ کی بحثیں مسئلہ رویت میں	۱۰۴
۴۵۔	امام الحرمینؒ اور قاضی ابن رشد کی رائے متعلق دیدار	۱۰۵
۴۶۔	تفسیر لقاء (امام رازیؒ)	۱۰۶
۴۷۔	مذہب اہل سنت اور رویت	۱۰۸
۴۸۔	عزلت خلق کا بیان	۱۰۹
۴۹۔	توکل کا بیان	۱۱۱
۵۰۔	تسویت کا بیان	۱۱۲
۵۱۔	رسول اللہؐ کی نظیر کا ممکن ہونا	۱۱۴
۵۲۔	تابع کے اقسام	۱۱۵
۵۳۔	اقتداء اور تبعیت کی بحث	۱۱۸
۵۴۔	فضیلت ابوبکر صدیقؓ عام افراد امت میں	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلیًا : امابعد بندہ سید اشرف ابن سید علی ابن الفاضل العلامہ الحافظ الحاج السید اشرف المعروف بہ عالم اچھا میاں صاحب رحمہ اللہ گزارش کرتا ہے کہ میرے بعض دوستوں اور تلامیذ نے مجھ سے یہ درخواست کی کہ ایک رسالہ ایسا تالیف کیا جائے جس میں ثبوت امام ہمام جناب مہدی موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ کے علامات کا ذکر ہو اور نیز اصول و فرائض کے اثبات میں دلائل قاطعہ ذکر کئے جائیں اور حتی الامکان سلیس عبارت اور صاف بیان میں ان مسائل کی تقریر کی جائے۔ بندہ نے ان کی درخواست کے موافق یہ رسالہ لکھا اور مسائل مذکورہ کے اثبات پر اکتفا کیا کیونکہ دوسرے رسائل مثلاً ''شرح توضیح الکلام'' و ''تحریر العقائد'' وغیرہ میں جملہ عقائد کو بندہ نے بیان کیا ہے اور ان میں موقع مناسب پر ضروری بحثیں کی گئی ہیں۔ اس رسالہ کا لکھنا میں نے ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ میں شروع کیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس میں طاعون کی یورش محلات حیدرآباد پر زور و شور سے ہو رہی تھی اور ہزاروں عزیز جانیں موت کی نذر ہو رہی تھیں بندہ بھی استرخا اعصاب کے مرض میں مبتلا تھا مگر اوپر کا نصف جثہ اس وقت بھی محفوظ تھا اور اللہ کا شکر ہے کہ اب بھی محفوظ ہے۔ غرض ۲۳ ذی الحجہ سنہ مذکورہ تک بندہ نے اس رسالہ کی تالیف کی اسی تاریخ میری بڑی بہن جو ماں کی طرح مجھے عزیز تھیں اور کئی مہینوں سے میری بیماداری اور غمخواری میں مصروف تھیں مرض طاعون میں مبتلا ہوئیں میں جو خود بیمار تھا ان کی بیمارداری میں مصروف ہو گیا اسی روز سے اس رسالہ کی تالیف موقوف ہو گئی۔ اس کے دوسرے دن میری ایک منکوحہ جو قریب وضع حمل تھی طاعون میں مبتلا ہوئی اور ۲۵ تاریخ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو فوت ہوئی اس کے دوسرے دن یعنی ۲۶ تاریخ میں اس مرحومہ کا لڑکا مسمی ''سید نعمت اللہ'' اور میری مکرمہ ہمشیرہ فوت ہوئیں۔ ان کی وفات کے بعد میری منجلی لڑکی ۳۰ ذی الحجہ میں فوت ہوئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

ان متواتر صدموں سے جو چھ دن کی مدت میں مجھ پر واقع ہوئے طبیعت بیٹھ گئی اور دل شکستہ ہو گیا اور موجودہ بیماری میں ترقی ہو گئی۔ بالآخر آٹھ مہینے تک فریش رہا جب اپنے غمخواروں کی

تمارداری یاد کرتا تھا مضطرب ہو جاتا تھا اس دردناک زندگی پر موت کو ترجیح دیتا تھا۔ اور جینے سے مرنا پسند کرتا تھا مگر موت چاہنے سے نہیں آتی اور جب اپنے وقت پر آجاتی ہے تو ٹلتی نہیں۔ اذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون خلاصہ یہ ہے کہ ان متعدد صدموں و جانکاہ حادثوں اور اس پر اپنے مرض کے حملوں کی وجہ سے اس رسالہ کی تالیف ذیقعدہ ۱۳۳۱ ہجری تک موقوف رہی۔ بالآخر میرے لڑکے مسمیٰ "سید علی" نے درخواست کی کہ اس رسالہ کو جو ادھورا پڑا ہوا ہے پورا کر دیا جائے تو مناسب ہے بندہ نے اس کے مجبور کرنے پر اس رسالہ کی طرف توجہ کی مگر چونکہ مریض ہوں روزانہ نہیں لکھ سکا اور دھیمی رفتار سے یہ تالیف ہوتی رہی اور ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۱ ہجری میں رسالہ ختم ہو گیا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھ ایسے مریض سے یہ رسالہ ختم کرا دیا۔ جیسا کہ میں نے اس تکلیف مرض میں اس رسالہ کی تالیف کی ہے اگر اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول ہو جائے تو میری نجات اخروی کے لئے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہے جب میں نے اس رسالہ کو خاص حمایت مذہبی کی غرض سے لکھا ہے تو امید ہے کہ یہ رسالہ موجب ثواب اخروی ہو جائے گا۔ واضح ہو کہ اس رسالہ کو میں نے تین بابوں پر منقسم کیا ہے اور ہر باب میں کئی فصلیں ہیں۔

باب اول: وجود امام مہدی موعود علیہ السلام و شرائط مہدیت میں۔ اس میں کئی فصلیں ہیں۔
فصل اول وجود امام مہدی موعود علیہ السلام کے ثبوت میں۔ دوسری فصل شرائط مہدیت کے بیان میں اس فصل میں شرائط معتبرہ کا پورا بیان کیا گیا ہے۔

باب دوم: ضرورت و ثبوت مہدی علیہ السلام میں اور اس میں تین فصل ہیں۔

باب سوم: اصول و فرائض کے بیان میں اور اس میں سات فصل ہیں اس کا فصل اخیر تسویت خاتمین علیہما الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں ہے۔

باب اول (دو فصلی)

وجود مہدی موعود علیہ السلام و شرائط مہدیت کے بیان میں

فصل اول

وجود مہدی موعود علیہ السلام کے بیان میں

احادیث صحیحہ کے دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک خلیفہ خدا کا پیدا ہونا ضروری امر ہے اور اس خلیفہ موعود کے انتظار کی طرف آنحضرتؐ نے توجہ دلائی ہے چنانچہ حاکم وابونعیم نے روایت کی ہے عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم يقتتل عند كنز كم ثلثه كلهم ابن خليفة لا يصير الى واحد منهم ثم تطلع الرايات السود من قبل المشرق فيقاتلو نكم قتالا لم يقتله قوم ثم يجيى خليفة الله فاذ اسمعتم به فاتوه فبايعوه ولو حبوا على الثلج فانه خليفة الله المهدى ۔ یعنے ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارے خزانہ کے پاس تین شخص خلفاء کے اولاد سے لڑیں گے اور کسی کے ہاتھ وہ خزانہ نہیں آئے گا پھر کالے پھریروں والے جھنڈے مشرق کی طرف سے نکلیں گے پھر سخت لڑائی ہوگی پھر خلیفۃ اللہ مہدی موعود علیہ السلام آئیں گے۔ جب تم یہ بات سن لو تو ان کے پاس حاضر ہو جاؤ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرو اگر چہ تم کو ان کے پاس برف پر رینگتے ہوئے جانا پڑے۔ کیونکہ وہ مہدی خلیفۃ اللہ ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ مہدی خدا کے خلیفہ ہیں اور آپ کی بعثت ضروری ہے۔ اس حدیث میں تین امر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اول یہ کہ حصول خلافت کے لئے لڑائیاں ہوں گی مگر خلافت انھیں نہیں ملے گی۔ دوم یہ کہ کالے پھریرے والے جھنڈے مشرق کی طرف سے نکلیں گے اور ان سے بھی سخت لڑائی ہوگی۔ سوم یہ کہ اس لڑائی سے ایک زمانہ کے بعد مہدی موعود

علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ اور چونکہ آپ خلیفۃ اللہ ہیں آپ کے ہاتھ پر بیعت فرض ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ مہدی موعود کا ظہور ایک ضروری امر ہے۔ اس حدیث کے معانی میں آئندہ فصلوں میں ہم تفصیلی بحث کریں گے۔

دوسری حدیث یہ کہ ابن ابی شیبہ نے اپنی سنن میں اور طبرانی نے افراد میں اور ابونعیم وحاکم نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہے۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتذھب الدنیا حتی یبعث اللہ رجلا من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی فیملاء الارض قسطاً وعدلا کما ملئت ظلماً وجوراً یہ حدیث بڑی معرکۃ الآرا ہے۔ ہمارے مخالف اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ظہور مہدی کی یہ بڑی علامت ہے جب تک اس حدیث کا مفہوم مدعی مہدیت پر صادق نہ آئے وہ مہدی نہیں ہوسکتا اور یہ نہیں جانتے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ساری زمین قسط وعدالت سے نہیں بھری تو مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں کیونکر بھرے گی۔ ہم نے اس کا تفصیلی جواب فصل شرائط میں ادا کیا ہے اور زیادہ بحث کی ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ دنیا ختم نہ ہوگی تا آنکہ اللہ تعالیٰ میری اہل بیت سے اس شخص کو پیدا نہ کرے جو میرا ہم نام ہو اور نیز اس کے ماں باپ کے نام میرے ماں باپ کے ہم نام ہوں۔ پس یہ شخص زمین کو عدل وانصاف سے ایسا بھرے گا جیسا کہ جور وظلم سے بھری ہوئی تھی۔ سنن ابوداؤد میں بھی اس مضمون کی روایت موجود ہے۔ عن عبداللہ ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو لم یبق من الدنیا الایوم واحد لطول اللہ ذلک الیوم حتی یبعث اللہ تعالیٰ فیہ رجلا من امتی اومن اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی۔ پہلی حدیث میں لاتذھب الدنیا کے الفاظ ہیں اور اس حدیث میں لولم یبق من الدنیا الایوم واحد کے الفاظ ہیں مگر دونوں کا مطلب قریب قریب ہے پہلی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا ختم نہ ہوگی جب تک کہ میری اہل بیت سے میرے ہم نام شخص کا ظہور نہ ہو اور دوسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر دنیا کے سب ایام گزر جائیں اور اس کا ایک ہی دن باقی رہ جائے تب بھی میرے اہل بیت سے ایک شخص کا ظہور ضروری ہے

جو میرا ہم نام ہوگا۔ غرض دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ ترمذی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس کو حسن صحیح کہا ہے اور علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مضمون کی روایت ابوداؤد میں مروی ہے اور مسند حافظ ابونعیم میں بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی مضمون کی روایت مروی ہے۔ اس حدیث سے ضرورت وجود مہدی کا صاف نتیجہ نکلتا ہے کیونکہ اگر ضرورت نہ ہوتی تو مخبر صادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت مہدی علیہ السلام کے لئے لاتذھب الدنیا اور لطول اللہ ذلک الیوم نہ فرماتے کیونکہ غیر ضروری امر کے لئے اتنی سختی سے فرمانے اور آئندہ کے لوگوں کو زیادہ توجہ دلانے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر جب آپ نے مہدی علیہ السلام کے وجود کو ضروری امر خیال فرمایا تو آپ کو ضرور ہوا کہ آپ مہدی علیہ السلام کی بعثت پر امت کو زور کے الفاظ میں توجہ دلائیں۔ اسی مضمون کی روایت حافظ ابوبکر بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں لکھی ہے۔ عن ابی سعید مولی ابن عباس رضی اللہ عنہ قال سمعت ابن عباس یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم انی لارجوا ان لا تذھب الایام واللیا لی حتی یبعث اللہ منا اھل البیت غلاما شاباحد ثالم تلبسہ الفتن ولم یلبسھا یقیم امر ھذہ الامۃ کما فتح ھذالامر بنا ارجوا ان یختمہ اللہ بنا۔

اس حدیث کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ جب تک میری اہل بیت سے میری امت کے لئے مدبر ومنتظم شخص پیدا نہ ہولے دنیا ختم نہ ہوگی۔

احمد بن حنبل نے روایت کی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بشریٰ کم بالمھدی رجل من قریش من عترتی یبعث فی امتی علی اختلاف من الناس وزلازل فیملاء الارض قسطاوعد لا کما ملئت جورا وظلما و یرضی عنہ ساکن السماء و ساکن الارض و یقسّم المال صحاحا بالسویہ بین الناس ویملاء قلوب امۃ محمد غنی و یسعھم عدلہ حتی انہ یامر منادیا فینادی من لہ حاجۃ الی فما یالیہ احدا الارجل واحدیاتیہ یسئلہ فیقول ایت السادن حتی یطعیک فیاتیہ انا رسول المھدی الیک لتعطینی مالا فیقول احث فیحثی ولایستطیع ان یحملہ

فیلقی حتی یکون قدر مایستطیع ان حمله فیخرج به فیندم فیقول انا کنت اجشع امة محمد نفسا کلهم دعی الی هذالمال فترکه غیری فیرده علیه فیقول انا لانقبل شیئا اعطیناه فیلبث فی ذلک ستا اوسبعا اوثمانیا اوتسع سنین ولاخیر فی الحیوة بعده .

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو مہدی سے خوش خبری ہو جو ایک قریشی ہے میری اولاد سے ہوگا اور میری امت میں اس وقت پیدا ہوگا جب کہ لوگوں میں اختلاف ہوگا اور زلزلے ہوں گے پس زمین کو عدل سے بھرے گا جیسا کہ وہ ظلم سے بھری ہوئی تھی اس سے آسمان وزمین کے لوگ خوش رہیں گے لوگوں میں مال کو برابر تقسیم کرے گا امت محمدی کے دلوں کو غنی کردے گا اور اس کا عدل ان کو شامل ہوگا۔ منادی کو فرمائے گا کہ حاجت مندوں کو میری طرف بلائے۔ پس اس کی طرف ایک شخص آئے گا اور مانگے گا فرمائے گا کہ خادم کے پاس جاؤ کہ وہ تم کو دیں گے پس خادم کے پاس آئے گا اور عرض کرے گا کہ مہدی کی طرف سے آیا ہوں کہ تم مجھے کچھ عطا کرو پھر وہ کہے گا کہ بھر لے وہ بھر لے گا اور نہ اٹھا سکے گا پھر ڈال دے گا یہاں تک کہ بقدر طاقت مال رہ جائے گا پھر لے کر نکلے گا اور نادم ہوگا کہ میرا دل اُمت محمدیہ میں سب سے زیادہ حریص ہے کہ سب لوگ مال کی طرف بلائے گئے پس سب نے اس کو چھوڑ دیا پھر مہدی کی طرف جائے گا اور مال واپس کرے گا مہدی فرمائیں گے کہ ہم دی ہوئی چیز واپس نہیں لیتے۔ پس امامؑ اس حال میں چھ یا سات یا آٹھ یا نو برس انتظام کریں گے آپ کے بعد زندگی میں بہتری نہیں ہے۔ دوسری حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی علیہ السلام پانچ برس تک دنیا میں انتظام امت فرمائیں گے۔

چنانچہ ابی سعید خدری کی روایت میں یعیش خمسا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ترمذی شریف میں یہ حدیث مروی ہے کہ نعیم بن حماد اور ابونعیم نے روایت کی ہے۔ عن علی رضی اللہ عنہ قال قلت یا رسول اللہ امنّا آل محمد المهدی ام من غیر نا فقال لابل منّا یختم اللہ به الدین کما فتح بنا وبنا ینقذون من الفتنة کما انقذوا من الشرک و بنا یولف اللہ بین قلوبهم بعد عداوة الفتنة کما الف بین قلوبهم بعد عداوة

الشرک وبنا یصبحون بعد عداوة الفتنة اخوانا کما اصبحوا بعد عداوة الشرک اخوانا فی دینهم۔

یعنی حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا محمد مہدی ہماری اولاد سے ہیں یا غیر کی اولاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری اولاد سے ہیں۔ اس مہدی سے اللہ تعالےٰ دین کو پورا کرے گا جیسا کہ ہم سے اس کا آغاز فرمایا ہے اور ہم ہی سے فتنہ سے بچ جائیں گے جیسا کہ شرک سے بہ سبب ہمارے رہائی پائے ہیں اور ہم ہی سے ان کے قلوب کی تالیف ہوگی دشمنی کے بعد جیسا کہ ان کے دلوں میں شرک کے بعد تالیف قلوب ہوئی ہے اور ہم ہی سے فتنہ کی عداوت کے بعد آپس میں برادر بن جائیں گے جیسا کہ ہم سے عداوت شرک کے بعد آپس میں بھائی بن گئے ہیں۔

نعیم بن حماد نے روایت کی ہے عن قتادة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یخرج المهدی من المدینة الی مکه فیستخرجه الناس من بینهم فیبایعونه بین الرکن والمقام وهو کاره ۔ قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی مدینہ سے مکہ کو آئیں گے لوگ آپ کو پہچان لیں گے اور آپ سے رکن ومقام کے درمیان ایسی حالت میں بیعت کریں گے کہ آپ بیعت لینا مکروہ سمجھیں گے۔ اس حدیث میں مدینہ سے مراد مدینۃ الرسول نہیں ہے بلکہ وہ شہر مراد ہے جس سے آپ مکہ معظمہ کو تشریف لے جائیں گے۔ اس حدیث میں ہم آئندہ بحث کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سنن ابوداؤد میں مروی ہے عن ابی اسحق النسفی قال قال علیؓ ونظر الی ابنه الحسن ان ابنی هذا سید کما سماه رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم سیخرج من صلبه رجل یسمی باسم نبیکم یشبهه فی الخلق ولایشبه فی الخلق یملا الارض عدلاً۔ یعنے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میرا یہ لڑکا سید ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا نام سید رکھا ہے اس سے ایک شخص پیدا ہوگا جو تمھارے پیغمبر کا ہمنام اور خلق میں اس کے خلق سے مشابہ ہوگا اور اس کا ہم شکل نہ ہوگا زمین کو

عدل سے بھر دے گا۔ غرض ائمہ حدیث نے وجود مہدی علیہ السلام میں بہت سی احادیث کی تخریج کی ہے جن میں ترمذی، ابوداؤد، بزار، ابن ماجہ، حاکم، طبرانی، ابویعلی موصلی، امام احمد بن حنبل وغیرہم ہیں اور ان کا اسناد ایک گروہ صحابہ کی طرف گیا ہے جن میں سے علیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، طلحہؓ ابن مسعودؓ، ابی ہریرہؓ، انسؓ، ابی سعید الخدریؓ، ام حبیبہؓ، ام سلمہؓ، ثوبانؓ، قرۃؓ ابن ایاس، علیؓ الہلالی، عبداللہ بن الحارثؓ، قتادہؓ، جابرؓ وغیرہم ہیں۔ ان سب احادیث کا قدر مشترک یہی ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد ایک امام فاطمی کا پیدا ہونا ضروری ہے کہ وہ دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ناصر ہوگا اور ہلاکت امت کا دافع۔ علماء متاخرین نے بھی احادیث مہدی علیہ السلام کو اپنے خاص خاص رسالوں میں جمع کیا ہے۔ مثلاً عقد الدرر، القول المختصر فی علامات المہدی المنتظر، البرہان فی علامات مہدی آخر الزماں، العرف الوردی فی اخبار المہدی، میں احادیث مہدی علیہ السلام ذکر کئے گئے ہیں۔ رسالہ القول المختصر میں مہدی علیہ السلام کے دو سو علامات ابن حجر نے ذکر کئے ہیں۔ جن سب کا منشاء احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان سب علامات میں علماء نے جن علامتوں کو ضروری بتایا ہے سب سے زیادہ ضروری یہی علامت ہے کہ مہدیؑ فاطمی ہوں۔

خلاصہ تقریر یہ ہے کہ احادیث مذکورہ اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام کی بعثت امر ضروری ہے بعضے لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن موجود ہے اور احادیث رسول اللہ بھی موجود ہیں اور ان ہی سے دین کامل ہو چکا ہے تو امام مہدیؑ کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ بعضے فلسفی خیال والوں کا یہی مذہب ہے اور میں نے بھی اس خیال کے لوگوں سے اسی شہر یعنے حیدرآباد میں ملاقات کی ہے۔ یہ لوگ دراصل قرآن شریف اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقائق پر مطلع نہیں ہیں اور نہ ان کو قرآن وحدیث کی کوئی پرواہ ہے بلکہ اپنے نفسانی خواہشوں میں مقید ہیں پس جو کچھ ان کا نفس ان کو تعلیم کرتا ہے وہی کہتے اور کرتے ہیں۔ ان کا جواب مختصر طور پر دیا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ قرن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو خیر القرون تھا خاص شریعت حقہ پر جو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری تھی عمل ہوتا تھا اور

اعتقاد بھی وہی تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم فرمائی تھی۔ اس مبارک قرن کے بعد قرن صحابہ میں جو خیر القرون کے حکم میں تھا قرن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت نہ رہی بلکہ اس قرن میں یہ حالت تھی کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہؓ میں اختلاف ہوتا تھا اکثر مرتبہ ان میں اجماع ہو کر فیصلہ ہو جاتا تھا۔ بعض صورتوں میں اجماع کا موقع نہ بھی ہوتا تھا چنانچہ عقائد وفقہ وفرائض میں بہت سے ایسے اقوال موجود ہیں کہ بعض صحابہ ان میں متفرد ہیں۔ چنانچہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مسئلہ رضاعت ودیدار خدا میں سب صحابہ سے متفرد ہیں اور فرائض میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جمہور صحابہ سے اختلاف ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ بھائی بہن اگر تین ہوں تو ماں کے حاجب ہوں گے اگر دو ہوں تو حاجب نہ ہوں گے۔ اسی طرح عدت کے مسئلہ میں بھی علی رضی اللہ عنہ کو جمہور صحابہؓ سے اختلاف ہے۔ غرض اسی قرن میں شرایع میں اختلاف شروع ہو گیا اس صورت میں بعضے اعمال کی بناظن پر ہونے لگی۔ اور یہ بات قرن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھی کیونکہ ہر ایک اختلاف آنحضرتؐ کے بیان سے رفع ہو جاتا تھا اور اعتقاد وعمل قطعی ہو جاتا تھا۔ اس قرن کے بعد جب تابعین کا زمانہ آیا اگرچہ یہ زمانہ بھی خیر القرون کے حکم میں داخل ہے تاہم اس میں بدعتیں پیدا ہو گئیں اور فتنے اور مفاسد پھیلنے لگے خوارج اور شیعوں کے اختلاف باطن سے ظاہر میں آنے لگے مسائل متفقہ عنہا میں اشکالات پیدا ہونے لگے اس زمانہ میں دلیل نقلی پر کفایت نہیں کی گئی بلکہ مخالفین کا منہ بند کرنے کے لئے دلائل عقلیہ کی ضرورت ہوئی اور قیاس واجتہاد کی طرف چار ناچار رجوع کرنا پڑا۔ اس زمانہ میں قیاس واجتہاد بھی داخل شرایع ہو گیا اور اصول شرع چار ٹھہرائے گئے۔

اول۔ کتاب اللہ، دوم۔ سنت رسول اللہ، سوم۔ اجماع، چہارم۔ قیاس مجتہد۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ ان چاروں اصول کی ایک حالت ہے یا ان میں اختلاف ہے۔ بعد تامل یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اصول میں پہلا اصل یعنے کتاب اللہ قطعی ہے اور سنت رسول اللہؐ سے جو دوسرا اصل ہے خبر متواتر قطعی ہے اور خبر مشہور کو جس نے خبر متواتر کے حکم میں رکھا ہے اس کے قطعی ہونے کا معترف ہے مگر مذہب جمہور یہی ہے کہ خبر متواتر سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے اور دوسرے اخبار سے ظن حاصل ہوتا ہے اور اجماع سے جو تیسرا اصل ہے صرف اجماع صحابہ سے افادہ یقین کا

ہے اور دوسری اجماعین ظنی ہیں اور قیاس سے، جو کہ چوتھا اصل شرع ہے اس صورت میں افادہ یقین
کا ہوتا ہے کہ اس کا مقیس علیہ قطعی ہو۔ ورنہ اس سے بھی ظن حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر مجتہد معصوم
نہیں ہے۔ بلکہ کوئی مجتہد کہ وہ صحابی ہو یا تابعی ہو معصوم نہیں ہے۔ پس جب تینوں اصول شرعیہ کی یہ
حالت ہے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ شرع صواب وخطا سے مرکب ہے اور قطعیات اور ظنیات کا مجموعہ ہے
اس صورت میں امت مرحومہ کا اعتقاد وعمل کبھی صواب پر ہوگا اور کبھی خطا پر۔ کیونکہ امت مرحومہ کو
اسی موجودہ شرع پر عمل کرنا اور اسی کا اعتقاد رکھنا واجب ہے پس بجز اس کے چارہ نہیں ہے کہ اس
مجموعہ کو اپنے اعتقاد وعمل کا دستور العمل سمجھے۔ جب شرع کی یہ حالت ہے تو امت مرحومہ کو ایک
ایسے شخص کی ضرورت ہے جس کو خطا وصواب میں امتیاز ہو اور قطعی کو ظنی سے جدا کر سکتا ہو اور امت
مرحومہ کو اس حکم کی طرف ہدایت کرے جو قطعی ہو اور اس میں خطا نہ ہو ایسے شخص کا موئد منجانب اللہ
اور معصوم عن الخطا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اس کے احکام میں بھی خطا کا احتمال باقی رہے گا لہذا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک امام معصوم کا ہونا ضروری ہے اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنے بعد ایک امام معصوم کے بعثت کی خبر دی ہے اور فرمایا کہ وہ امام خلیفۃ اللہ ہے اس
کے ہاتھ پر تم بیعت کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ وہ میرا تابع ہے اور اس سے خطا نہ ہوگی چنانچہ یہ ارشاد
فرمایا کہ المھدی منی یقفو اثری ولا یخطی اگرچہ مہدی علیہ السلام کی معصومیت آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک سے ثابت ہو جاتی ہے کہ مہدی خلیفۃ اللہ ہیں کیونکہ خلیفۃ
اللہ اگر معصوم نہ ہوگا تو اس کی دعوت اور اس کے احکام میں خطا کا احتمال ہوگا اس صورت میں اس کی
تصدیق فرض نہ ہوگی اور اس کا منکر کافر نہ ہوگا۔ تاہم چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے
بیعت کرانے پر زیادہ توجہ تھی لہذا صاف یہ جملہ فرمادیا کہ ولا یخطی یعنی وہ خاطی نہیں ہے غرض
امام مہدی علیہ السلام کی اسی واسطے ضرورت ہے کہ امت مرحومہ کو شریعت حقہ سکھائیں اور اس پر
ان کو عمل کرائیں ہماری اس تقریر سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت مرحومہ
کیلئے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی اشد ضرورت ہے پس ان لوگوں کا خیال غلط ہے جو اس بات
کے معتقد ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کو کسی امام معصوم کی حاجت نہیں ہے۔

ثانیا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخبر صادق ہونا امر قطعی ہے اور اصول فقہ میں یہ امر

ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی خبر میں نسخ نہیں وارد ہوتا کیونکہ اگر نسخ وارد ہوگا
تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطابق واقع نہیں تھی یا آئندہ واقعات کا
من جانب اللہ آپ کو علم حاصل نہیں ہوا تھا اس سے کذب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لازم آئے گا۔
نعوذ باللہ۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجملہ اخبار آئندہ کے خبر مہدی
بھی بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کی ہے اور آپ سے بیعت کرنے پر توجہ دلائی ہے بلکہ یہ تصریح
کی ہے کہ آپ کی اتباع سے امت ہلاکت وگمراہی سے بچ جائے گی اور یہ خبر دراصل خبر واحد نہیں
ہے بلکہ خبر متواتر بالمعنی ہے کیونکہ قدر مشترک سب احادیث کا یہی ہے کہ مہدی علیہ السلام کی بعثت
ضروری ہے۔ اس صورت میں خبر مہدی کا اگر انکار کیا جائے تو اس سے دو امر لازم آئیں گے ایک
یہ کہ خبر متواتر کا انکار لازم آئے گا دوسرا خبر مغیب کا بھی انکار ہو جائے گا اور بالاتفاق یہ امر ثابت
ہے کہ خبر متواتر کا انکار کفر ہے اور چونکہ خبر مغیب کے انکار کی بھی یہی حالت ہے چنانچہ پہلے ذکر کیا
گیا ہے لہذا اس کا بھی وہی حکم ہوگا۔

فصل دوم

شرائط مہدی علیہ السلام کے بیان میں

واضح ہو کہ امام مہدی علیہ السلام کے باب میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے بعضے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مہدی علیہ السلام کی ضرورت مجی نہیں ہے۔ چنانچہ ان کی تردید کی گئی بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مہدی کے مجی کی ضرورت ہے مگر آپ کی مجی چند شرائط پر موقوف ہے تاوقتیکہ وہ شرائط مہدیت کے مدعی میں موجود نہ ہوں وہ مہدی علیہ السلام نہیں ہوسکتا اور نہ اس کی تصدیق کی ضرورت ہے۔ شرائط وعلامات مہدی علیہ السلام کے دو قسمیں ہیں۔

اول یہ کہ ان کا ثبوت احادیث متواترہ یا مشہورہ سے ہوا ہوگا۔ دوم یہ کہ ان کا ثبوت احادیث آحاد سے ہوا ہوگا۔ علماء محققین کا یہ خیال ہے کہ قسم اول کا مدعی مہدیت میں پایا جانا واجب ہے اور قسم دوم چونکہ ظنی ہے لہذا اس کا وجود ضروری نہیں ہے اور ان کے سوائے دوسرے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مدعی مہدیت میں علامات قطعیہ وظنیہ کے مجموعہ کا وجود ضروری ہے ورنہ مہدیت کا ثبوت نہ ہوگا۔ علامات مہدی علیہ السلام میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بعض علامتیں ایسی بھی ہیں کہ ان میں تضاد پایا جاتا ہے اگر ان سب علامتوں کا امام مہدی علیہ السلام میں پایا جانا شرط ہوگا تو اجتماع اضداد لازم آئے گا اور یہ ایک امر محال ہے جس کو ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔ ہم اس جگہ اسی گروہ سے بحث کرتے ہیں جو اس بات کا قائل ہے کہ مہدی علیہ السلام میں مجموعہ علامات کا موجود ہونا ضروری ہے۔

ہم اس جگہ چند علامتیں ذکر کرتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان سب کا شخص واحد میں موجود ہوجانا محال ہے۔

اول یہ کہ امام مہدی علیہ السلام مکہ میں پیدا ہوں گے اور بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ میں پیدا ہوں گے۔

دوم یہ کہ مہدی صاحب ریاست اور سلطنت ہوں گے۔ دوسری احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی پر اس کے مخالف حملہ کریں گے اور آپ کو شکست دیں گے چنانچہ ابن ماجہ میں یہ روایت ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یخرج ناس من المشرق فیوطنون المهدی یعنی سلطانه۔

سوم یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی علیہ السلام کا اجتماع ایک زمانہ میں ہوگا اور دوسرے احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی حضرت عیسیٰ کے پہلے ہوں گے اور عیسیٰ آخر زمانہ میں تشریف لائیں گے۔ چنانچہ مشکوۃ میں یہ روایت موجود ہے۔

کیف تهلک امتی انا فی اولها وعیسیٰ فی آخرها والمهدی من اهل بیتی فی وسطها۔

چہارم یہ کہ مہدی علیہ السلام روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔ یہ حدیث بھی نصوص قرآنی سے معارض ہے جس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔

پنجم یہ کہ مہدی علیہ السلام روم کو فتح کریں گے۔ یہ حدیث دراصل اس شخص سے متعلق ہے جو اولاد اسحاق سے ہے اور امام مہدی اولاد فاطمہؓ سے ہیں۔

ششم یہ کہ مہدی مال کی تقسیم کریں گے یہ شرط دراصل جداگانہ نہیں ہے بلکہ سلطنت کے لوازم سے ہے کیونکہ تقسیم مال کا موقع اسی صورت میں ہوگا کہ مہدی صاحب جاہ وسلطنت ہوں اور مہدی علیہ السلام کا صاحب سلطنت ہونا زیر بحث ہے۔ اکثر حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ امام فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہیں اور بعض حدیثوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ اولاد عباس رضی اللہ عنہ سے ہیں۔

غرض مذکورہ علامات سے یہ امر ظاہر ہے کہ ایک علامت دوسری علامت سے متضاد ہے

چنانچہ جو شخص مکہ میں پیدا ہوگا وہ مدینہ میں کس طرح پیدا ہوگا۔ پس ایک حدیث بالضرور غیر معتبر ہوگی۔ پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مہدی میں مجموعہ علامات قطعیہ وظنیہ کا وجود ضرور ہے دراصل ان کا یہ اعتقاد ہے کہ مہدی علیہ السلام میں علامات متضادہ کا پایا جانا ضروری ہے اور یہ امر بالبداہتہ باطل ہے کہ امور متضادہ ایک شخص میں جمع ہو جائیں اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اشخاص موعودین کے علامات میں کچھ تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے۔

واضح ہو کہ اگرچہ پیغمبروں اور اللہ تعالیٰ کے خلفا کی بعثت اللہ تعالیٰ کے لطف ورافت پر مبنی ہے کیونکہ ان کی بعثت خاص اسی واسطے ہے کہ انسان زیور ارشاد وہدایت سے مزین ہو اور ان کی تعلیم وارشاد کی بدولت تہذیب نفس حاصل کرے جس سے دنیا وآخرت میں اس کو صلاح حاصل ہو پس ان کی بعثت خاص اللہ تعالیٰ کا لطف ورافت ہے۔ مگر چونکہ انسان عقل وشعور سے بھی موصوف ہے اور اس کو اتنی سمجھ عطا ہوئی ہے کہ وہ اپنی بھلائی اور برائی کو دریافت کر سکے اور وہی چیز اختیار کرے جس میں اس کی بھلائی ہے اور اس چیز کو اختیار نہ کرے جس میں اس کی برائی ہے تو اس بات کا بھی یقین کرنا چاہئے کہ پیغمبروں اور خدا کے خلیفوں کی بعثت انسان کے لئے امتحان بھی ہے کیونکہ اگر یہ امر منظور مشیت باری عزاسمہ نہ ہوگا تو انسان کے لئے ثواب وعذاب کے لئے کوئی وجہ معقول پیدا نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے منزلہ صحیفوں میں پیغمبران موعود کے جب حالات بیان فرمائے ہیں تو ان میں کنایات اور اشارات کے ساتھ پیغمبروں کے صفات بیان کئے۔ جن میں عقل کو حیرانی ہوتی ہے اور اس کی روشنی ان دقیق جملوں کے انکشاف کے لئے کافی نظر نہیں آتی تاوقتیکہ نور ایمان اس کا مؤید نہ ہو ان کے باریک معانی کا سمجھنا سخت دشوار ہے مجھے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ کتب منزلہ کے چند ایسے فقروں کو ذکر کروں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کی گئی ہے اور یہود ونصاریٰ کے خیال میں وہ پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نجی کے علامات وشرائط ٹھہرائے گئے ہیں۔ شارح مقاصد علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں ان میں سے بعض فقروں کو ذکر کیا ہے۔ اخبر بمجیئہ فی الکتب السماویہ کما ذکر فی التوراۃ جاء اللہ من طور سینا واشرق من سیعیر واستعلن من جبال فاران . وایضا قال اللہ لموسیٰ علیہ السلام انی مقیم لھم نبیا من بنی اخوتھم مثلک

واجری قولی فی فیہ ویقول لھم ماامرھم وایضافیہ ان ھاجر تلدویکون من ولدھا من یدہ فوق الجمیع ویدالجمیع مبسوطۃ الیہ بالخشوع ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر بھی آسمانی کتابوں میں دی ہے چنانچہ تورات میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ طور سینا سے آیا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑوں سے نکلا۔ اور نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں ان کے (یہود کے) بھائیوں سے ایک پیغمبر کو قائم کروں گا جو تیرے مثل ہوگا اور یہ میرا کلام اس کے منہ میں داخل کروں گا اور وہ ان کو وہی کہے گا جو میں ان کو حکم کروں گا وغیرہ۔

پہلا فقرہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ طور سینا سے خدا نکلا اور سعیر سے بھی خدا ہی چمکا اور فاران کے پہاڑوں سے بھی خدا نکلا۔ اس فقرے میں سب صیغے ماضی کے ہیں اس میں ایک بھی ایسا لفظ نہیں ہے جو آئندہ واقعہ سے متعلق ہو اور اگر کوئی ایسا صیغہ موجود بھی ہوتا جو زمانہ مستقبل سے متعلق ہوتا تو یہ خیال کیا جا سکتا تھا کہ یہ پیشین گوئیاں ہیں ان میں آنے والے پیغمبروں کی خبریں دی گئی ہیں اور ان کی تصدیق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ خدا سے بشر مراد لے لینا ایک ایسا امر ہے جس سے عقل سلیم پرہیز کرتی ہے اور اگر بالفرض خدا سے انسان کامل بھی مراد لی جائے تو سعیر پر خدا کے چمکنے سے عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور اور فاران کے پہاڑوں سے خدا کے برآمد ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ظہور مراد لینے پر کوئی قرینہ موجود نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ان تینوں مقاموں یعنے طور سینا اور سعیر اور فاران میں ایک ہی شخص کا ظہور ہو کیونکہ مقامات کے متعدد ہونے سے شخص موعود کے متعدد ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتی بلکہ شخص واحد کے ظاہر ہونے پر دلیل ہو سکتی ہے کیونکہ تینوں مقامات سے خدا کا ظاہر ہونا ہی بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا فقرہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود کے بھائیوں سے ایک پیغمبر کو پیدا کرے گا جو موسیٰ علیہ السلام کے مثل ہوگا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ پیغمبر موعود بنی اسرائیل سے ہوگا کیونکہ یہود کا بھائی وہی شخص ہوگا جو یہود سے اور اولاد اسرائیل سے ہو پس اس فقرہ کے معانی حقیقی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق نہیں آ سکتے اور نہ اس فقرہ میں کوئی ایسا قرینہ موجود ہے جس

سے دوسرے معنی پر دلالت ہو سکے۔ تیسرا فقرہ اس بات کو بتاتا ہے کہ ہاجرہ جو ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ہیں وہ بچہ جنیں گی اور اس بچہ کی اولاد سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا ہاتھ سب کے ہاتھوں پر ہوگا اس فقرہ میں ہاجرہ کا بچہ جننا مستقبل میں بتلایا گیا ہے حالانکہ یہ فقرہ تورات کا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتری ہے اور حضرت موسیٰ، حضرت ہاجرہ کے انتقال سے سینکڑوں برس بعد پیدا ہوئے تھے۔ پس اس صورت میں اس فقرہ کے بھی معانی حقیقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق نہیں آسکتے۔ غرض یہود نے اس وجہ سے کہ یہ پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے حقیقی معنی کی اعتبار سے صادق نہیں آتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے انکار کیا اور اب تک بھی ان کو انکار ہے۔ انجیل منزل میں بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں تھیں وہ بھی ازیں قبیل ہیں۔ حاصل یہ کہ اگر ان سارے پیشین گوئیوں کے معنی حقیقی کے موافق شخص موعود کا ظہور پیش نظر رکھا جائے تو اس کی بھی محال ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ خدا کا پہاڑوں اور دروں سے لوگوں کے سامنے ہدایت کے لئے آنا یا کسی پہاڑ مثلاً طور سینا یا سعیر پر شعلہ کی طرح چمکنا محال عقلی ہے کیونکہ اس بیان سے اللہ تعالیٰ کی جسمیت ثابت ہوتی ہے حالانکہ اس کی ذات جسمیت ولوازم جسمیت سے منزہ ہے۔ بلکہ قدر مشترک ان سب پیشین گوئیوں کا جو شخص موعود کی علامات ٹھہرائی گئی ہیں یہی ہے کہ ایک عظیم الشان شخص مبعوث ہوگا۔ جس کے ظہور کو خدائے تعالیٰ نے اپنی ذات کے ظہور سے تعبیر کی ہے اگر یہ معنی مراد نہ لیا جائے بلکہ ان فقروں کے حقیقی معنوں میں غور و تامل کرتا رہے تو شخص موعود نہ کبھی ظاہر ہو سکے گا اور نہ اس کی تصدیق کا موقع ملے گا۔ پس امام مہدی علیہ السلام کی پیشین گوئیوں کی بھی یہی حالت ہے کہ اکثر لوگ اس بات کے طالب ہیں کہ ان ساری پیشین گوئیوں کی جن میں سے بعض پیشین گوئیاں دوسری پیشین گوئیوں سے متضاد بھی ہیں حقیقی معانی شخص موعود پر صادق آئیں ورنہ وہ لائق تصدیق نہیں ہے۔

مگر افسوس و تعجب اس بات کا ہے کہ ان ساری پیشین گوئیوں کا قدر مشترک جو ایک شخص موعود کی بعثت ہے کیوں نہیں اعتبار کیا جاتا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں میں بھی ان کا قدر مشترک لئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معتبر ہے تو امام مہدی کی پیشین گوئیوں میں

بھی اسی قدر مشترک کے اعتبار کی ضرورت ہے پس یہ بات قابل تسلیم نہ ہوگی کہ صفات مختلفہ کا بھی پایا جانا امام مہدی کی بھی میں معتبر ہے۔ ان ہی اختلاف خیالات کی وجہ سے راقم نے یہ بیان کیا ہے کہ وجود نبی اور خلیفۃ اللہ انسان کے واسطے امتحان ہے اور اس امتحان سے اس امر کا دیکھنا منظور ہے کہ وہ نیکی اور ہدایت کی طرف مائل ہوتا ہے یا نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کو یہ امتحان منظور نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو یہ ارشاد فرمانا دشوار نہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فلاں کے بیٹے ہیں اور ان کا نام ابراہیم ہے وہ نمرود کے عہد سلطنت میں اور فلاں شہر میں پیغمبر ہوں گے تم ان کی تصدیق کرو۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ صراحت کی جاتی ہے کہ عمران کا بیٹا موسیٰ نبی ہے اور مصر کے شہر میں اس کی نبوت کا ظہور ہوگا اور بنی اسرائیل کو فرعون کی قید غلامی سے چھڑائے گا اس کی تصدیق ضروری ہے اور عیسیٰ مریم کا بیٹا بیت اللحم میں پیدا ہوگا اور بے باپ کے پیدا ہوگا صرف جبرئیل کے معجزہ سے مریم کو حمل ہوگا وہ پیغمبر ہے اس کی تصدیق کرو اور اس پر ایمان لاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کا نام مقدس محمدؐ ہے مکہ میں مبعوث ہوں گے ان کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہے آپ پیغمبر آخرالزماں اور خاتم پیغمبران ہیں۔ آپ سب پیغمبروں میں زیادہ بزرگ ہیں آپ کا دعویٰ عام افراد جن و انسان پر ہوگا آپ کی تصدیق کرو اور آپ پر ایمان لاؤ۔

اگر یہ طریقہ جاری ہوتا تو نمرود ہزاروں بچوں کو کیوں مار ڈالتا اور حضرت ابراہیم کو آگ میں کیوں پھینکتا اور نیز موسیٰ علیہ السلام کے ولادت کے ڈر سے لاکھوں معصوم بچے کیوں قتل کئے جاتے اور آپ کی مخالفت سے فرعون کیوں کافر ہوتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیوں اذیتیں پہنچاتا۔ اور بحر احمر کے بھنور میں کیوں ڈوب کر مرتا۔ اور بیت المقدس کے کاہن اور سرداران یہود مسیح علیہ السلام کو کیوں تکلیف دیتے اور سولی پر چڑھانے کی کیوں تجویز کرتے اور مریم علیہا السلام کیوں تہمت زدہ ہوتیں۔ مشرکین عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیوں انکار کرتے اور مکہ سے آپ کو ہجرت کرنے کی کیوں ضرورت ہوتی اور حج کعبہ سے آپ کو کیوں روکتے اور آپ سے کیوں قتال کرتے بلکہ سب پیغمبروں پر ان کی امتیں ایمان لاتیں اور سب دیندار اور فرمانبردار ہو جاتے۔ مگر اس طور پر نہیں کیا گیا بلکہ مشیت باری اس وجہ سے کہ انسان کو عقل و شعور عطا کیا گیا ہے امتحان

کے درپے رہی۔ پس جن لوگوں نے نورِ ایمان سے سیدھی راہ دیکھی انھوں نے پیغمبروں کی دعوت قبول کرلی اور جن کے دلوں میں ایمان کی روشنی نہیں تھی اپنی عقل و دانش کے پیچیدگیوں میں الجھے ہوئے رہے اور گمراہ ہوگئے۔

واضح ہو کہ جن لوگوں کو نورِ ایمان سے ہدایت ہوگئی وہ علامات کی پیچیدگیوں میں نہیں پڑے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت نے خود ان کے دلوں کو روشن کردیا وہ فوراً ایمان لائے چنانچہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور علی کرم اللہ وجہہ اور ابوبکر صدیقؓ کی یہی کیفیت ہے کہ ان نفوسِ زاکیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سننے کے ساتھ ہی ایمان لایا اور یہ نہیں دریافت کیا کہ آسمانی کتابوں کی علامتیں آپ میں موجود ہیں یا نہیں مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب دعوت سنی صرف اتنا دریافت کیا کہ آپ کے اس دعوے پر کوئی دلیل مجھے بتائیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس راہب کا کہنا بھول گئے جو یمن میں تم سے کہا تھا کہ تم پیغمبر آخرالزماں کے وزیر ہوں گے۔ صدیق نے اس کا اقرار کیا اور فوراً ایمان سے مشرف ہوئے۔ غرض یہ لوگ یؤمنون بالغیب (البقرۃ:۳) کے حکم میں داخل ہیں جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کی ہے اور جن کی شان میں اولئک ھم المھتدون (البقرۃ:۱۵۷) فرمایا ہے۔ ان ہی لوگوں کا ایمان کامل ہے اور یہی گروہ حقیقی مومن ہے۔ جس کی شان میں اولئک ھم المومنون حقا (الأنفال:۴) ہے یہی لوگ صحابہ کے طبقہ اولیٰ میں داخل ہیں۔ اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور اسلامی فتوحات کے دیکھنے کے بعد اسلام سے مشرف ہوئے وہ لوگ اس طبقہ میں داخل نہیں ہیں۔ خلاصہ تقریر یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے علامات سے قطعی علامت یہی ہے کہ حضرت امام علیہ السلام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہیں آپ کی مجی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ جب چاہے آپ کو پیدا کرے۔ باقی علامتیں چونکہ وہ متضاد ہیں اور اشارات کے نہج پر ہیں ان کی حقیقی معانی کی مصداق امام علیہ السلام کی ذات کو بنانا درست نہیں ہے کیونکہ ظنی علامتیں جو خبر واحد ہیں سلسلہ روایت کے اعتبار سے جن میں ثقہ اور غیر ثقہ موجود ہیں۔ ان کا استناد رسولؐ اللہ تک یقینی طور پر نہیں ہوسکتا پس یہ علامتیں جب خود اس طرح کی

ہیں تو ان کا وجود کس طرح قطعی ہوگا۔ ہاں جو علامت قطعی ہے مثلاً مہدی علیہ السلام کا اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہونا اس کا ظہور مسلم ہے اور جب یہ علامت مدعی مہدیت میں ظاہر ہو تو وہ کافی ہوگی۔

مہدی علیہ السلام کی تصدیق کا اصل معیار وہی ہے جو نبیؐ کی تصدیق کے لئے شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ نبوت کے پہلے وہ کذب سے موصوف نہ ہو عام ازینکہ امور دنیاوی میں ہو یا دینی میں اور برے افعال اس سے صادر نہ ہوں بلکہ اس کا عازم بھی نہ ہو۔ اور صبور ہو یعنے بلیات اور مشقتوں میں اس کے نفس میں زلزلہ نہ آئے صادق الوعد اور امین ہو۔ سختیوں اور مصیبتوں میں لوگوں کی مدد کرے۔ دلیر ہو، عدالت کی صفت سے موصوف ہو، سخی اور منفق ہو، صاحب عقل و شعور ہو اور نبوت کے بعد صرف دو چیزیں اس میں ہونی چاہئے۔ ایک دعویٰ نبوت اور دوسرا منکرین کی طلب کے وقت اس سے معجزہ ظاہر ہو۔ پس اوصاف مذکورہ کا مجموعہ جن میں سے ہر ایک وصف عظیم القدر ہے جس میں پایا جائے گا وہ نبوت سے موصوف ہوگا۔ چونکہ دعوت مہدیت دراصل دعوئے نبوت سے برتر نہیں ہے۔ لہذا یہی چیزیں آپ کی تصدیق مہدیت کے لئے کافی ہیں پس یہی مذکورہ امور نبوت اور مہدیت کے اصلی معیار ہیں۔

حالات امام علیہ السلام میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن چیزوں کے پائے جانے کی نبوت کے ثبوت میں ضرورت ہے وہ سب چیزیں امامؑ میں موجود تھیں۔ چنانچہ مورخین کو بھی اس امر کا انکار نہیں ہے کہ آپ ستودہ خصائل اور جملہ اخلاق سے موصوف تھے ولی کامل و مکمل تھے آپ کے وعظ کی تاثیر سامعین کے دلوں پر بجلی کا کام کرتی تھی ہاں انھوں نے دعوئے مہدیت کی نسبت اپنی طرف سے یہ بات بڑھادی کہ آپ نے یہ دعوے جذب کی حالت میں کیا ہے مگر اس امر کا ان کو انکار نہیں ہے کہ آپ اخلاق حسنہ سے موصوف تھے مگر ان کا یہ بیان کہ آپ نے جذب کی حالت میں دعوئے مہدیت کیا تھا یہ غلط ہے مورخین کو آپ کے دعوئے مہدیت کی صحیح روایتیں نہیں پہنچیں یا ان کی یہ ذاتی رائے ہے۔ حق یہ بات ہے کہ آپ کی ہدایت و ارشاد یا جذب کی روایت ان لوگوں سے کرنی چاہئے جو آپ کے اصحاب یا تابعین ہوں یا کم سے کم آپ کے مصدقین ہوں اگر مورخین اس طرح کی روایتیں اپنی طرف سے پیش کریں اور اس پر مصر بھی رہیں تو وہ لائق قبول نہ ہوں گے

چنانچہ اگر کسی مخالف نے یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر نہ تھے بلکہ ایک مقنن اور حکیم تھے انھوں نے زمانہ کی رفتار کے موافق قانون شریعت کی ایجاد کی ہے تو اس کا یہ قول کسی مسلمان کے پاس قابل تسلیم نہ ہوگا کیونکہ ان کی ایسی روایتوں کا استناد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ و تابعین کی طرف ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی مورخ نے یہ لکھ دیا کہ آپ نے جذب کی حالت میں دعوئے مہدیت کیا ہے تو یہ قوم ہمارے پاس ہرگز لائق توجہ نہ ہوگا اور نہ اس کا جواب ہم پر لازم ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اس امر میں شبہ نہیں ہے کہ امام مہدی علیہ السلام باتفاق موافقین ومخالفین دعوت مہدیت کے پہلے اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ سے موصوف تھے اور اس کے بعد جب اللہ کے حکم سے آپ نے دعوئے مہدیت کیا اور طالبین کی درخواست کے موافق خوارق عادات آپ سے ظاہر ہوئے تو پھر آپ کی مہدیت کی تسلیم میں کوئی انتظار باقی نہ رہا۔ البتہ اہل انکار کے خیال میں وہی بخشیں درپیش رہتی ہیں کہ ساری علامتیں جو آپ کی شان میں مروی ہیں ان کے حقیقی معانی آپ پر صادق نہیں آتیں یہ خیالات دراصل باطل ہیں نہ ان میں غور کی ضرورت ہے اور نہ ان کے جواب کی حاجت۔

واضح ہو کہ امام مہدی علیہ السلام نے موافق فرمان مبارک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم المهدی منی یقفوا اثری ولا یخطی اپنی مہدیت کی دلیل یہی بیان کی ہے کہ میں کتاب خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہوں چنانچہ بندگی سید خوندمیرؒ نے جو امام علیہ السلام کے خلیفہ ہیں حضرت امامؑ سے یہ روایت کی ہے کہ "اگر کسے خواہد کہ صدق ما را معلوم کند باید کہ از کلام خدا و اتباع رسول اللہ در احوال و اعمال ما نگرید" کما قال سبحانه تعالیٰ قل هذه سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرة انا ومن اتبعنی (یوسف ۱۰۸) یعنے حضرت امامؑ فرماتے ہیں کہ ہمارے دعوے کی تصدیق کی ضرورت ہو تو ہمارے احوال و اعمال میں غور کرے اور دیکھے کہ ان میں اتباع قرآن مجید اور اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پائی جاتی ہے یا نہیں۔ اگر اتباع پائی جاتی ہے تو ہمارے دعوئے مہدیت کی تصدیق کرے اور دعویٰ بھی یہی فرمایا کہ انی عبد اللہ تابع محمد رسول اللہ یعنے میں خدا کا بندہ ہوں اور رسول اللہ کا تابع۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں پیغمبر نہیں ہوں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت منزل کا تابع ہوں مجھے احکام شرعی میں کوئی کمی وبیشی کا

حق نہیں ہے بلکہ میں وہی کہوں گا جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے اور وہی کروں گا جو پیغمبر خدا نے کیا ہے اور جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہوں تو اسی کتاب اللہ پر حکم کروں گا اور لوگوں کو بلاؤں گا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرماتے تھے اور لوگوں کو اس کی طرف بلاتے تھے۔ غرض آپ کا یہ دعویٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث المهدی منی یقفوا اثری ولا یخطی سے بالکل مطابق ہے۔

واضح ہو کہ اتباع کی دو قسمیں ہیں ایک اتباع کامل دوسری اتباع ناقص۔ اتباع کامل وہ ہے کہ متبوع کے ہر قول و فعل و حال سے تابع کا قول و فعل و حال مطابق ہو۔ مگر ان چیزوں میں مطابقت کی ضرورت نہیں ہے جو متبوع کے خصوصیات ہیں باقی سب چیزوں میں مطابقت کی ضرورت ہے اور اتباع ناقص وہ ہے کہ تابع اپنی قدرت و طاقت کے موافق متبوع کی پیروی کرے پس تابع ناقص کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنے متبوع کی اتباع بعضے احوال و افعال میں کرے گا اور بعض احوال و افعال کی اتباع سے قاصر رہے گا۔ اتباع کامل میں اگر متبوع نبی ہے تو یہ شرط ہے کہ تابع معصوم ہو ورنہ نبی کی پوری پیروی ممکن نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ثابت ہے کہ امام مہدی علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام اتباع میں خطا نہ کریں گے تو آپ خطا سے معصوم ہیں پس آپ کی اتباع اتباع کامل ہوگی۔ لہذا ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ امام علیہ السلام اس وجہ سے کہ خلیفۃ اللہ اور معصوم عن الخطاء ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تام ہیں۔ پس آپ کے اقوال و افعال و احوال میں خطا واقع نہ ہوگی اور یہی حالت آپ کے احکام کی ہوگی یعنے اس وجہ سے کہ وہ احکام امام معصوم کے ہیں اور خلیفۃ اللہ ہونے کی جہت سے ان کو بیان فرماتا ہے ان کا ماننا فرض ہوگا۔ ہم فرائض و احکام کی بحث انشاء اللہ اس کے بعد مختصر طور پر کریں گے اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان شرائط ظنیہ متضادہ میں بحث کریں جو امام مہدی علیہ السلام کی مجی کی علامتیں قرار دی گئی ہیں۔

اول یہ کہ ان کا بیان ہے کہ حدیث یملاء الارض قسطا وعدلا حضرت امامؑ پر صادق نہیں آتی کیونکہ آپ کے زمانہ میں ساری زمین عدل و انصاف سے نہیں بھری بلکہ اس میں

جس طرح کفر وظلم پھیلا ہوا تھا اسی طرح باقی رہا پس یہ مہدی نہیں ہیں بلکہ ان کے دعوے سے لوگوں میں اختلاف ہوگیا کیونکہ بعض لوگ بعضوں کو کافر کہنے لگے اور لوگوں کے دلوں میں دشمنی جگہ کرلی اور فساد بڑھ گیا۔

اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ امام علیہ السلام کے زمانہ میں عدل سے روئے زمین کا بھر جانا درست نہیں ہے کیونکہ امام علیہ السلام امت محمدیہ کے ناصر اور ان کو ہلاکت سے بچانے والے ہیں چنانچہ حدیث کیف تھلک امتی الخ اسی کی شاہد ہے اس صورت میں آپ کی ہدایت وعدالت خاص امت محمدیہ سے متعلق ہوگی مگر اس امت سے امت دعوت مراد نہ ہوگی بلکہ وہ امت مراد ہوگی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی ہے اگرچہ امام علیہ السلام کی ہدایت وعدالت سب امت اجابت سے متعلق ہے مگر عدالت وہدایت ان لوگوں میں پھیلے گی جنھوں نے مہدی کی مہدیت تسلیم کی اور آپ کی تصدیق کی ہے اور جنھوں نے آپ کی مہدیت کو نہ مانا۔ انھوں نے خود مہدی علیہ السلام کی ہدایت وعدالت کو رد کردیا اس صورت میں محال ہوگا کہ مہدی کی ہدایت و عدالت ساری امت اجابت میں پھیلے پس مہدی کی ہدایت وعدالت جس طرح کہ حدیث مذکور میں مروی ہے ثابت نہ ہوسکے گی۔

ثانیاً یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت وعدالت کی طرف توجہ کی جاتی ہے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے تیئس برس دعوت کی۔ مگر آپ کی ہدایت حقیقی حجاز ویمن کے سارے قطعات میں نہیں پھیلی تھی بلکہ آنحضرتؐ کے قریب کے رشتہ داروں میں بھی آپ کی ہدایت و عدالت نہیں پھیل سکی۔ چنانچہ ابوطالب کا قصہ ہمارے کلام کا شاہد ہے اگرچہ آپ نے ان کی آخر حیات تک ان کی تعلیم وہدایت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرمایا تھا تاہم انھوں نے مشرکین کے کہنے پر عمل کیا اور بالآخر یہی کہدیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اس کے بعد ابوطالب نے رحلت کی۔ ابوطالب کی اس طرح کی موت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج ہوا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو تسلی وسکون کی غرض سے یہ آیت اتاری کہ انک لاتھدی من احببت (القصص:۵۶) یعنے تم جس کو چاہتے ہو اس کو ہدایت نہیں کرسکو گے کیونکہ ہدایت وارشاد خاص ہمارا

فعل ہے اور تمہارا کام صرف راہ نمائی ہے پس تم کو اس قدر ملال کی ضرورت نہیں ہے۔ اس آیت شریف کے اترنے کے بعد آپ کا ملال جاتا رہا۔ خلاصہ تقریر یہ ہے کہ ہدایت وعدالت کا پھیلانا جب خاص رشتہ داروں میں آنحضرتؐ سے نہ ہوسکا تو امام سے جو تابع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ساری دنیا میں کیونکر ہدایت وعدالت پھیل سکے گی اور اگر ایسا ہوگا تو تابع کی زیادتی متبوع پر لازم آئے گی اور یہ بات باطل ہے۔ امام کا تابع اور آنحضرتؐ کا متبوع ہونا امام علیہ السلام کے دعوے انی عبداللہ تابع محمد رسول اللہ اور حدیث المھدی منی یقفو اثری ولایخطی سے ظاہر ہے۔ غرض ہدایت وعدالت مہدیؑ کا ساری زمین کے افراد انسان میں اگر پھیلنا تسلیم کیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت وعدالت پر ہدایت وعدالت مہدیؑ کی زیادتی لازم آجاتی ہے لہٰذا اس حدیث کے معنے میں تاویل کی ضرورت ہوگی۔

ثالثاً یہ کہ جب حدیث مذکور کے معنے کے موافق ساری زمین میں مہدی کی عدالت پھیل جائے گی اور سب افراد انسان عادل ہوجائیں گے اور طریق عدالت پر چلیں گے تو ضروری طور پر یہ بات صادق آجائے گی کہ ساری زمین کے افراد انسان ایک ہی امت ہیں کیونکہ سب کا طریقہ ایک ہی ہے یعنے عدالت ہے مگر یہ بات قرآن شریف کے مخالف ہے کیونکہ آیت صریح اس معنی کی مخالف ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ (المائدۃ:۴۸) یعنے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنادیتا۔ یہ آیت شریف یہ بات بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس بات پر جاری نہیں ہوئی کہ سب افراد انسان ایک امت بن جائیں اور ایک طریقہ پر چلیں یعنے عادل ہوجائیں پس جب یہ امر مشیت خدا کے مخالف ہو تو محال ہے کہ مہدیؑ کی ہدایت سے ساری زمین میں ہدایت وعدالت پھیل جائے اور سب ہدایت یافتہ اور عادل ہوجائیں اس صورت میں بھی چونکہ حدیث مذکور آیت شریف سے متعارض ہے لہٰذا اس کے معنے میں تاویل کی ضرورت ہے۔

رابعاً یہ کہ مہدی علیہ السلام کی ہدایت سے سارے افراد انسان میں جو روئے زمین پر آباد ہیں عدالت کا پھیل جانا خلاف مشیت خدا ہے کیونکہ سارے افراد انسانجب ہی عادل ہوں گے کہ وہ

جس طرح کفر وظلم پھیلا ہوا تھا اسی طرح باقی رہا پس یہ مہدی نہیں ہیں بلکہ ان کے دعوے سے لوگوں میں اختلاف ہو گیا کیونکہ بعض لوگ بعضوں کو کافر کہنے لگے اور لوگوں کے دلوں میں دشمنی جگہ کر لی اور فساد بڑھ گیا۔

اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ امام علیہ السلام کے زمانہ میں عدل سے روئے زمین کا بھر جانا درست نہیں ہے کیونکہ امام علیہ السلام امت محمدیہ کے ناصر اور ان کو ہلاکت سے بچانے والے ہیں چنانچہ حدیث کیف تھلک امتی الخ اسی کی شاہد ہے اس صورت میں آپ کی ہدایت وعدالت خاص امت محمدیہ سے متعلق ہوگی مگر اس امت سے امت دعوت مراد نہ ہوگی بلکہ وہ امت مراد ہوگی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی ہے اگرچہ امام علیہ السلام کی ہدایت وعدالت سب امت اجابت سے متعلق ہے مگر عدالت وہدایت ان لوگوں میں پھیلے گی جنھوں نے مہدی کی مہدیت تسلیم کی اور آپ کی تصدیق کی ہے اور جنھوں نے آپ کی مہدیت کو نہ مانا۔ انھوں نے خود مہدی علیہ السلام کی ہدایت وعدالت کو رد کر دیا اس صورت میں محال ہوگا کہ مہدی کی ہدایت و عدالت ساری امت اجابت میں پھیلے پس مہدی کی ہدایت وعدالت جس طرح کہ حدیث مذکور میں مروی ہے ثابت نہ ہو سکے گی۔

ثانیاً یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت وعدالت کی طرف توجہ کی جاتی ہے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے تیس برس دعوت کی۔ مگر آپ کی ہدایت حقیقی حجاز ویمن کے سارے قطعات میں نہیں پھیلی تھی بلکہ آنحضرتؐ کے قریب کے رشتہ داروں میں بھی آپ کی ہدایت و عدالت نہیں پھیل سکی۔ چنانچہ ابوطالب کا قصہ ہمارے کلام کا شاہد ہے اگرچہ آپ نے ان کی آخر حیات تک ان کی تعلیم وہدایت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرمایا تھا تاہم انھوں نے مشرکین کے کہنے پر عمل کیا اور بالآخر یہی کہدیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اس کے بعد ابوطالب نے رحلت کی۔ ابوطالب کی اس طرح کی موت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج ہوا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو تسلی وسکون کی غرض سے یہ آیت اتاری کہ انک لاتھدی من احببت (القصص:۵۶) یعنے تم جس کو چاہتے ہو اس کو ہدایت نہیں کر سکو گے کیونکہ ہدایت وارشاد خاص ہمارا

فعل ہے اور تمہارا کام صرف راہ نمائی ہے پس تم کو اس قدر ملال کی ضرورت نہیں ہے۔ اس آیت شریف کے اترنے کے بعد آپ کا ملال جاتا رہا۔ خلاصہ تقریر یہ ہے کہ ہدایت وعدالت کا پھیلانا جب خاص رشتہ داروں میں آنحضرتؐ سے نہ ہو سکا تو امام سے جو تابع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ساری دنیا میں کیونکر ہدایت وعدالت پھیل سکے گی اور اگر ایسا ہوگا تو تابع کی زیادتی متبوع پر لازم آئے گی اور یہ بات باطل ہے۔ امام کا تابع اور آنحضرتؐ کا متبوع ہونا امام علیہ السلام کے دعوے انی عبداللہ تابع محمد رسول اللہ اور حدیث المھدی منی یقفو اثری ولایخطی سے ظاہر ہے۔ غرض ہدایت وعدالت مہدی کا ساری زمین کے افراد انسان میں اگر پھیلنا تسلیم کیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت وعدالت پر ہدایت وعدالت مہدی کی زیادتی لازم آجاتی ہے لہذا اس حدیث کے معنے میں تاویل کی ضرورت ہوگی۔

ثالثاً یہ کہ جب حدیث مذکور کے معنے کے موافق ساری زمین میں مہدی کی عدالت پھیل جائے گی اور سب افراد انسان عادل ہو جائیں گے اور طریق عدالت پر چلیں گے تو ضروری طور پر یہ بات صادق آجائے گی کہ ساری زمین کے افراد انسان ایک ہی امت ہیں کیونکہ سب کا طریقہ ایک ہی ہے یعنے عدالت ہے مگر یہ بات قرآن شریف کے مخالف ہے کیونکہ آیت صریح اس معنی کی مخالف ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولوشاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ (المائدۃ:۴۸) یعنے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا۔ یہ آیت شریف یہ بات بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس بات پر جاری نہیں ہوئی کہ سب افراد انسان ایک امت بن جائیں اور ایک طریقہ پر چلیں یعنے عادل ہو جائیں پس جب یہ امر مشیت خدا کے مخالف ہو تو محال ہے کہ مہدی کی ہدایت سے ساری زمین میں ہدایت وعدالت پھیل جائے اور سب ہدایت یافتہ اور عادل ہو جائیں اس صورت میں بھی چونکہ حدیث مذکور آیت شریف سے متعارض ہے لہذا اس کے معنے میں تاویل کی ضرورت ہے۔

رابعاً یہ کہ مہدی علیہ السلام کی ہدایت سے سارے افراد انسان میں جو روئے زمین پر آباد ہیں عدالت کا پھیل جانا خلاف مشیت خدا ہے کیونکہ سارے افراد انسان جب ہی عادل ہوں گے کہ وہ

مہدی علیہ السلام کی ہدایت سے عدالت سیکھیں گے اور اس پر عمل کریں گے مگر اس امر کا واقع ہونا محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعا** (یونس:۹۹) یعنے اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو زمین کے سب افراد انسان مومن ہو جاتے۔ پس جب سب افراد انسان کا ایمان لانا اللہ تعالیٰ کی مشیت میں نہیں ہے تو وہ ہدایت مہدیؑ سے کس طرح عدالت سیکھیں گے اور عدالت پر عامل ہوں گے کیونکہ اوامر و نواہی شرعی پر عمل کرنا اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ آمر و ناہی کے لوگ تابع و فرمان بردار ہو جائیں اور جب تک وہ اس کے فرمانبردار نہ ہوں گے اس کے اقوال و افعال پر کیونکر عمل کریں گے غرض یہ امر محال ہے کہ سارے افراد انسان عادل اور ایک دین پر ہو جائیں کیونکہ یہ امر مشیت کے خلاف ہے۔ پس اس حدیث شریف میں جو روایت کے اعتبار سے صحیح اور صحاح میں مروی ہے ایسی تاویل کرنی چاہئے جس سے حدیث کی آیت سے مطابق ہو جائے پس لفظ الارض جو حدیث شریف میں مذکور ہے اس میں یہ تاویل کرنی چاہئے کہ لفظ الارض میں الف لام استغراقی نہیں ہے بلکہ عہد خارجی ہے اس صورت میں زمین کے سارے قطعات مراد نہ ہوں گے بلکہ اس سے ایک حصہ زمین مراد ہوگا اور یہ معنے ہوں گے کہ جس حصہ زمین میں جور و ظلم ہوا گر اس حصہ میں امام علیہ السلام داخل ہوں اور اس جگہ کے افراد انسان امامؑ کی ہدایت قبول کریں تو ان میں عدالت پھیل جائے گی۔ اس تاویل سے حدیث شریف اور آیت کریمہ میں مطابقت ہو جاتی ہے اور یہ تاویل ہم نے قیاسی طور پر نہیں کی ہے بلکہ اس قسم کی تاویل بعضے آیات میں مفسرین نے بھی کی ہے۔ چنانچہ **الارض یرثھا عبادی الصالحون** (الانبیاء:۱۰۵) اس آیت شریفہ میں جو لفظ الارض ہے اس سے ارض مقدس یا زمین جنت مراد ہے۔ اسی طرح حدیث زیر بحث میں بھی الارض سے کسی زمین کا خاص قطعہ مراد ہوگا تا آیت و حدیث میں پوری تطبیق ہو جائے اور مذکورہ اعتراضات وارد نہ ہوں اور یہ بات بھی ممکن ہے کہ ہدایت کے پھیلانے اور روئے زمین میں عدالت کے پُر کرنے سے یہ مراد ہے کہ امامؑ کی ہدایت و عدالت کا شہرہ اطراف روئے زمین پر پہنچے گا اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ سارے افراد انسان جو روئے زمین پر آباد ہیں سب کے سب ہدایت قبول کر لیں اور عادل بن جائیں پس امام علیہ السلام نے

ہدایت و ارشاد کو عام اطراف روئے زمین پر پھیلا دیا اور سب عالم میں اپنی ہدایت و فیضان کی روشنی ڈالدی مگر جب انھوں نے اس روشنی کے بدلے تاریکی کو پسند کیا تو امام علیہ السلام اس میں مجبور ہیں کیونکہ ہدایت پر لانا در اصل اللہ تعالیٰ کا فعل ہے کیونکہ قرآن میں خود ارشاد فرماتا ہے **ولو شئنا لآتینا کل نفس ھدا ھا** (السجدۃ:۱۳) یعنے اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت دیتے حاصل یہ کہ عدالت کا بالفعل پایا جانا اور سب لوگوں کا ہدایت پر آ جانا اللہ جل شانہ کے قبضہ قدرت میں ہے اس کام میں نبیؑ و امامؑ کو بالکل دخل نہیں ہے چنانچہ اس کا ذکر اول بھی کیا گیا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ امر ضروری ہے کہ ہر نبی کے دعوت کے بعد دو گروہ ہوں گے ایک وہ گروہ جس نے نبی کی دعوت قبول کر لی۔ دوسرا وہ جس نے اس کی دعوت و تصدیق سے انکار کیا پس ان دونوں گروہوں میں اس وجہ سے کہ دونوں میں مذہبی اختلاف ہے عداوت و دشمنی ہو جائے گی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے مشرف ہونے کے بعد غالباً اسی خیال سے کچھ زمانہ تک اپنے پیغمبر ہونے کا لوگوں پر اظہار نہیں فرمایا تھا اور جب آپ پر **وانذر عشیرتک الاقربین** (الشعراء:۲۱۴) کی آیت اتری یعنے تم اپنے نزدیک کے رشتہ داروں کو دھمکی دو تو آپ نے صفا پر چڑھ کر آواز دی اے غالب کی اولاد حاضر ہو تو غالب کی اولاد حاضر ہوئی ابولہب نے کہا کہ غالب کی اولاد حاضر ہے تم کیا کہتے ہو۔ پھر آپ نے آواز دی اے لوئی کی اولاد حاضر ہو جاؤ۔ لوئی کی اولاد حاضر ہوئی۔ ابولہب نے کہا کہ لوئی کی اولاد حاضر ہے تم کو جو کہنا ہو کہو۔ پھر آپ نے آواز دی اے مُرّہ کی اولاد حاضر ہو جاؤ مرہ کی اولاد حاضر ہوئی ابولہب نے کہا کہ مرہ کی اولاد حاضر ہے اور غالب و لوئی کا کوئی شخص جو مرہ کی اولاد سے ہو نہیں ہے تم کو جو کہنا ہو کہو۔ پھر آپ نے آواز دی اے اولاد کلاب حاضر ہو جاؤ۔ ابولہب نے کا کہ اس وقت خاص اولاد کلاب موجود ہے جو کہنا ہو کہو۔ پھر آپ نے قصی کو آواز دی ابولہب نے کہا کہ اولاد قصی حاضر ہیں جو آپ کو کہنا ہو کہئے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ میں اپنے نزدیک کے رشتہ داروں کو دھمکی دوں اور تم میرے قریب کے رشتہ دار ہو۔ تم کو میں اطلاع دیتا ہوں کہ میں تمہارے دین و دنیا سے کسی حصہ کا مالک نہ ہوں گا یعنے دین و دنیا میں تمہاری مدد نہ کروں گا جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ کو ایک

سمجھ کر لا الـــہ الا اللہ نہ کہو گے میں تمہارے پروردگار کے پاس اس کی گواہی دونگا کہ اللہ تعالیٰ کو ایک جانتے تھے جب ابولہب نے یہ بات سنی تو کہا کہ تبًّالک یعنے تجھے ہلاکت ہو کیا تو نے اسی واسطے ہم کو بلایا تھا۔ اس پورے قصہ کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے چنانچہ ان کی یہ عبارت ہے قال ابن عباس رضی اللہ عنہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یکتم امرہ فی اول المبعث ویصلی فی شعاب مکۃ ثلاث سنین الی ان نزل قولہ تعالیٰ وانذر عشیرتک الاقربین فصعد الصفا ونا دی یا آل غالب فخرجت الیہ غالب من المسجد فقال ابو لھب ھذہ غالب قد اتتک فما عندک ثم نادی یا آل لوئی فرجع من لم یکن من لوئی فقال ابولھب ھذہ لوئی قد اتتک فما عندک ثم قال یا آل مرہ فرجع من لم یکن من مرہ فقال ابولھب ھذہ مرہ قد اتتک فما عندک ثم قال یا آل کلاب ثم قال بعدہ یا آل قصی فقال ابولطب ھذہ قصی قد اتتک فما عندک فقال ان اللہ امرنی ان انذر عشیرتی الاقربین وانتم الاقربون اعلموانی لا املک لکم من الدنیا حظا ولا من الاخرۃ نصیبا الا ان تقولوا لا الہ الا اللہ فاشھد بھالکم عند ربکم فقال ابولھب عند ذلک تبًّالک لھذا دعوتنا فنزلت السورۃ۔

امام رازی نے اس حدیث کی روایت کئی طریقوں سے کی ہے۔ خلاصہ تقریر یہ ہے کہ دعوت کے پہلے آنحضرتؐ کے سب رشتہ داران قریب وبعید آپ کو اپنا دوست اور امین بلکہ اپنے بزرگ اور کامل العقل سمجھتے تھے۔ جب آپ نے نبوت کی دعوت کی اور خدا کا حکم ان کو سنایا تو وہی نزدیک ودور کے رشتہ دار آپ کی جان کے دشمن ہو گئے اور اپنے قبیلہ میں آپ کو بہت ہی حقیر اور مجنون سمجھنے لگے بلکہ جو لوگ آپ سے ملنے کا خیال ظاہر کرتے تھے یہ کہتے کہ وہ ایک مجنون شخص ہے تم اس سے کیوں ملتے ہو۔ تا آنکہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو سخت اذیتیں دینے لگے۔ بالآخر یہ ہوا کہ آپ کے مار ڈالنے کے درپے ہو گئے تا آنکہ آپ نے اللہ جل شانہ کے حکم سے مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ میں تشریف لے گئے۔

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ آپ کے قبیلہ اور نیز قبائل مکہ میں آپ سے اور مؤمنین سے دشمنی پیدا ہونے کی یہی وجہ تھی کہ آپ نے نبوت کی دعوت کی تھی ورنہ دشمنی کی کوئی اور وجہ نہیں تھی۔ اسی طرح امام علیہ السلام نے بھی جب تک اپنے مہدیت کا دعویٰ اور اس کا اعلان نہیں کیا تھا لوگوں میں آپ کے اور آپ کے اصحاب کے ساتھ دشمنی نہیں تھی پس دعوئے مہدیت کے بعد جن لوگوں نے آپ کی مہدیت کا انکار کیا امام علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کے مخالف ہو گئے۔ غرض ہر نبی اور ہر خلیفۃ اللہ کی دعوت کے وقت اختلاف کا وقوع ضروری ہے اور آپس میں لڑائی جھگڑے ہونا بھی لازم ہے۔ یہ بات بھی لائق اظہار ہے کہ بعض مخالفین ہمعصر اس روایت کہ "امام علیہ السلام نے مہدیت پر مبعوث ہونے کے بعد کچھ زمانہ تک دعوئے مہدیت کا اعلان نہیں فرمایا تھا صرف اس وجہ سے کہ امت محمد یہ مہدیت کے انکار کی جہت سے ماخوذ ہوگی"۔ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر مدعی مدیت نے ایسا کیا ہے تو وہ گنہگار ہوگا۔ اس وجہ سے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعمیل نہیں کی بلکہ اس کا تارک رہا۔ اس صورت میں وہ گنہگار اور غیر معصوم ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ سے جس کو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یکتم امرہ فی اول المبعث ویصلی فی شعاب مکہ ثلاث سنین الخ۔ یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے مشرف ہونے کے بعد اس کے اوائل کے زمانہ سے تین برس تک آپ نے اپنی نبوت کو چھپایا اور مکہ کے دروں میں نماز پڑھتے تھے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہی اعتراض واقع ہوتا ہے جو مہدی علیہ السلام پر وارد کیا گیا ہے۔ اس صورت میں جو خصم کا جواب ہوگا وہی ہمارا بھی جواب ہے۔

دوم یہ کہ جب امام مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے تو خراسان کی طرف سے یا مشرق کی طرف سے سیاہ جھنڈوں کے ساتھ تشریف لائیں گے اور چونکہ مدعی مہدیت کا خراسان کی طرف سے آنا ثابت نہیں ہے، بلکہ خراسان کی طرف ان کا جانا ثابت ہے چنانچہ ان کی قبر بھی وہیں ہے لہذا ان میں یہ شرط پائی نہیں جاتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شرط لغو ہے۔ واضح ہو کہ سنن ابن

ماجہ میں ثوبان رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی گئی ہے اس میں قصۂ مذکور درج ہے مگر ایک جملہ متروک ہوگیا ہے اور راوی نے اپنے بھول جانے کا عذر کیا ہے اور اس کے ساتھ خبر مہدیؑ لاحق کردی ہے تو اس سے یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ سیاہ جھنڈوں کے ساتھ مشرق کی طرف سے مہدیؑ تشریف لائیں گے اور دراصل ایسا نہیں ہے بلکہ سیاہ جھنڈوں کے نکلنے کے ایک زمانہ کے بعد مہدیؑ کا ظہور ہے چنانچہ ہم اس جگہ حدیث مختصر اور حدیث مفصل کو ذکر کرتے ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں مروی ہے۔ عن ثوبان رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم يقتتل عند كنزكم ثلاثه كلهم ابن خليفة ثم لايصير الى واحد منهم ثم تطلع الرايات السود من قبل المشرق فيقتلونكم قتلالم يقتله قوم ثم ذكر شيئا لا احفظه فقال اذا رايتموه فبايعوه ولو حبوا على الثلج فانه خليفة الله المهدى یعنے ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے کنز یعنے خلافت کے لئے تین شخص لڑیں گے ان میں سے ہر ایک شخص خلیفہ کا بیٹا ہوگا مگر یہ کنز کسی کی طرف رجوع نہ کرے گا پھر کالے جھنڈے مشرق کی طرف سے نکلیں گے وہ تم کو بہت ماریں گے مگر ان کو کوئی قوم قتل نہ کرے گی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ میرے شیخ نے اس کے بعد کچھ ذکر کیا جس کو میں بھول گیا ہوں پس جب تم ان کو دیکھو تو ان سے بیعت کرو گو تم کو برف پر سے گزرنا پڑے کیونکہ وہ خلیفۃ اللہ مہدیؑ ہیں۔ اس حدیث میں رایتموہ اور بایعوہ میں جو ضمائر مفعول ہیں صاحب رایات سود کی طرف پھرتی ہیں اسی اشتباہ سے لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ امام مہدیؑ کے ساتھ کالے جھنڈے ہوں گے اور درحقیقت یہ امر باطل ہے بلکہ یہ دونوں ضمیریں امام علیہ السلام کی طرف پھرتی ہیں چنانچہ حاکم اور ابونعیم کی روایت سے یہ امر ظاہر ہے اور وہ یہ حدیث ہے عن ثوبان رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم يقتتل عنه كنزكم ثلثة كلهم ابن خليفة لا يصير الى واحد منهم ثم تطلع الرايات السود من قبل المشرق فيقاتلونكم قتلالم يقتله قوم ثم يجئ خليفة الله المهدى فاذا سمعتم به فاتوه فبايعوه ولو حبوا على الثلج فانه خليفة الله المهدى

واضح ہو کہ اس حدیث میں جملہ متروکہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہ ثم يجئ خليفة الله المهدى ہے اس تقدیر پر بہ اور فاتوہ اور فبايعوه کی ضمیریں خلیفۃ اللہ کی طرف جو امام مہدیؑ ہیں پھریں گی اور حدیث سابق میں ثم يجئ خليفة الله المهدى کا جملہ متروک ہونے سے فبايعوه وغیرہ کی ضمیریں صاحب رایات سود کی طرف پھرتی تھیں۔

خلاصہ اس حدیث کا یہ ہے کہ صاحب رایات سود کے خروج کے بعد مہدیؑ کا ظہور ہوگا۔ کیونکہ صاحب رایات سود اور مہدیؑ کے درمیان لفظ ثم ذکر کیا گیا ہے۔ پس لفظ ثم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صاحب رایات سود اور مہدیؑ کے ظہور کے درمیان ایک ممتد زمانہ ہے اس صورت میں ظہور مہدی علیہ السلام صاحب رایات سود سے موخر ہونا ضروری ہے۔

خلاصہ یہ کہ جنھوں نے یہ شرط کی ہے کہ امامؑ خراسان سے آئیں گے اور ان کے ساتھ سیاہ جھنڈے ہوں گے حدیث میں پورا غور نہیں کیا اور مفصل حدیث کی جستجو نہیں کی اور اگر حدیث مفصل کی تلاش کی جاتی تو یہ ظاہر ہو جاتا کہ خراسان کو جانا یا خراسان سے آنا اور سیاہ جھنڈوں کا آپ کے ساتھ رہنا بالکل شرط نہیں ہے۔

سوم یہ کہ امام مہدی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ایک زمانہ میں ہوں گے اور حدیث مدعی مہدیت پر صادق نہیں آتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امامؑ اور عیسیٰؑ دونوں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور مستقل امامؑ ہیں ان کا ایک زمانہ میں جمع ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ جب یہ دونوں مستقل خلیفہ ہیں تو وہ بالضرور لوگوں کی بیعت مستقل طور پر لیں گے اور دو خلیفوں کا ایک وقت میں بیعت لینا ممنوع ہے کیونکہ حدیث شریف میں مروی ہے۔ اذا بويع الخليفتان فاقتلوا احمدهما یعنے جب وہ خفیہ بیعت لیں تو ایک کو قتل کر ڈالو اور اس حدیث پر ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے وقت تعمیل بھی ہوگئی یعنے سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ نے انصار میں جب اپنے خلیفہ ہونے کا دعویٰ کیا وہ روند دیئے گئے اس کے علاوہ نووی نے ذکر کیا ہے کہ اجمع السلف فى عدم جواز اجتماع الخليفتين فى زمانه واحد یعنے

سلف نے دو خلیفوں کے نہ جمع ہونے پر اجماع کیا ہے کہ وہ دونوں ایک زمانہ میں جمع نہ ہوں گے پس امام علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا ایک زمانہ میں جمع ہو جانا چونکہ خلاف اجماع ہے لہذا یہ شرط بھی باطل ہے۔ شرح عقیدہ میں میں نے یہ بحث تفصیل کے ساتھ کی ہے۔

چہارم یہ کہ بعضے احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدیؑ مدینہ سے نکلیں گے اور مکہ میں آئیں گے اور رکن و مقام کے درمیان لوگ آپ سے بیعت کریں گے مگر مہدیؑ ان کی بیعت لینے کو مکروہ سمجھیں گے۔ یہ شرط بھی مدعی مہدیت میں نہیں پائی جاتی کیونکہ مدعی مہدیت مدینہ سے مکہ کو نہیں گئے بلکہ ہندوستان سے مکہ کو گئے تھے پس یہ شرط بھی ان میں موجود نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اخبار مغیبہ یعنے پیشین گوئیاں اپنے حقیقی معانی پر محمول نہیں ہوتیں بلکہ ان میں اقسام کے مجاز و کنایات ہوتے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس سے امتحان منظور ہے لہذا ان کے معانی سمجھنے میں دقتیں ہوتی ہیں۔ اس حدیث میں جو لفظ المدینہ موجود ہے اس کی بھی یہی حالت ہے کیونکہ یہ بھی خبر مغیب ہے اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زمانہ آئندہ میں مہدیؑ آئے گا اور مدینہ سے مکہ میں آنے کے بعد حرم شریف میں اس سے رکن و مقام کے درمیان بیعت کرنے پر لوگ آمادہ ہوں گے مگر وہ کراہت کے ساتھ ان کی بیعت قبول کرے گا۔ پس اس حدیث میں اگرچہ لفظ المدینہ طابہ پر دلالت کرتا ہے جو مدینۃ الرسول کا اسم مبارک ہے مگر اس سے مطلق مدینہ مراد ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ طابہ فرمانا کوئی دشوار امر نہ تھا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو اس کے قدیم نام سے جو یثرب تھا پکارنے سے راضی نہ ہوتے تھے اور طابہ کہنے سے خوش ہوتے تھے اس وجہ سے کہ یہ نام خود آپ کا رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ صاحب معالم نے لکھا ہے وفی بعض الاخبار ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم نھی ان یسمی المدینۃ یثرب وقال ھی طابۃ یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا کہ مدینہ کا نام یثرب پکارا جائے اور فرماتے تھے کہ یہ طابہ ہے۔ غرض مدینہ کا قدیمی نام یثرب ہے اور آنحضرت علیہ السلام کا رکھا ہوا نام طابہ ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر صاف صاف فرمانا منظور ہوتا تو طابہ فرما دیتے مگر جب آپ نے المدینہ فرمایا اور یہ خبر مغیب

بھی ہے تو بالضرور اس کے معنی حقیقی مراد نہ ہوں گے بلکہ اس سے مطلق مدینہ مراد ہوگا۔ اس صورت میں حدیث مذکور کے یہ معنی ہوں گے کہ مہدیؑ کسی شہر سے مکہ میں داخل ہوں گے اور رکن و مقام کے درمیان لوگ آپ سے بیعت کریں گے اور یہ عموم مجاز ہوگا کیونکہ مطلق مدینہ طابہ پر بھی صادق آ سکتا ہے اس طرح کا مجاز اخبار مغیبہ میں موجود ہے۔ چنانچہ تورات منزل میں جو آنحضرتؐ کی خبر دی گئی ہے یہ کہا گیا ہے کہ قال اللہ تعالیٰ لموسیٰ انی مقیم لھم نبیا من بنی اخوتھم یعنی اللہ تعالیٰ موسیٰ سے فرمایا کہ میں یہود کے بھائیوں سے ان کے لئے ایک پیغمبر پیدا کروں گا۔ اس خبر مغیب میں اگر بنی اخوۃ سے معانی متعارف مراد لئے جائیں تو اس کا یہی مطلب ہوگا کہ اولاد یعقوبؑ سے ایک پیغمبر کو اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا کیونکہ اولاد یعقوبؑ کا بھائی وہی شخص ہوگا جو اولاد یعقوبؑ سے ہو اس صورت میں یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق نہیں آ سکتی کیونکہ آنحضرتؐ اسمٰعیل کی اولاد سے ہیں۔ اس صورت میں یہ پیشین گوئی آنحضرتؐ کی بعثت پر دلیل نہ ہوگی اور یہود کے اس اعتراض کا جواب نہ ہوگا۔ مگر ہم نے جو اس سے پہلے تحقیق کی ہے اس سے یہ بات ثابت ہے کہ پیشین گوئیاں حقیقی معانی پر محمول نہیں ہوتیں بلکہ ان میں استعارات و کنایات ہوتے ہیں تو لامحالہ بنی اخوت سے اولاد اسمٰعیلؑ مراد لینا ہوگا۔ پس اخوت سے مراد اس صورت میں اخوت بعیدہ ہوگی پس اس حالت میں اخوت سے مطلق اخوت مراد ہوگی جو اولاد ابراہیمؑ کے درمیان پائی جاتی ہے اور یہ معنی بطور عموم مجاز ہوں گے جس کے افراد اولاد اسحاقؑ اور اولاد اسمٰعیلؑ ہوگی اور اخوت کے معنی ان دونوں پیغمبروں کی اولاد پر برابر صادق آئیں گے۔

پنجم یہ ہے کہ امام مہدی موعود علیہ السلام امیر و سلطان ہوں گے اور قسطنطنیہ کو فتح کریں گے اور قتل دجال میں حضرت عیسیٰ کی مدد کریں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اس بات کا پہلے بیان کیا ہے کہ دو خلیفوں کا ایک وقت میں اکٹھا ہونا جائز نہیں ہے اور اس پر اجماع بھی ہو چکا ہے تاہم مہدی موعودؑ کا امیر ہونا اور مدینہ قسطنطنیہ کا فتح کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ قسطنطنیہ پر جس کی فوج جائے گی اور قسطنطنیہ کو فتح کرے گی اس کا افسر اور وہ فوج بنی اسحاق سے ہوگی چنانچہ مسلم شریف میں

یہ روایت ہے عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ھل سمعتم بمدینۃ جانب منھا فی البرو جانب منھا فی البحر قالوا نعم یا رسول اللہ قال لاتقوم الساعۃ حتی یغزوھا سبعون الفا من بنی اسحاق فاذا جآؤھا نزلوا فلم یقاتلوا بسلاح ولم یرموا بسھم قالوا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر فیسقط احد جانبیھا الذی فی البحر ثم یقولون الثانیۃ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر فیسقط جانبھا الاخر ثم یقولون الثالثۃ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر فیفرج لھم فیدخلونھا یغتنمون فبیناھم یقتسمون الغنائم اذجآء ھم الصریخ فقال ان الدجال قد خرج فیترکون کل شئی ویرجعون.

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ بنی اسحاق سے ایک گروہ مدینہ قسطنطنیہ پر تکبیر کے ساتھ جہاد کرے گا اور مدینہ کو فتح کردے گا۔ اور غنیمت کے تقسیم کے وقت ایک شور اٹھے گا کہ دجال نکلا تو یہ گروہ تقسیم غنیمت کو چھوڑ دے گا اور دجال کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوجائے گا۔ اس حدیث کے ملاحظہ سے روشن ہوگا کہ اس حدیث میں امام مہدیؑ کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ جو لشکر شہر قسطنطنیہ کو فتح کرے گا وہ اولاد اسحاق سے ہوگا اور احادیث صحیحہ سے جن کی قوت متواتر تک پہنچی ہوئی ہے یہ ثابت ہے کہ مہدیؑ فاطمی ہیں۔ پس اس حدیث سے اس بات پر استدلال نہیں ہوسکتا کہ امام امیر وسلطان ہوں گے بلکہ امام کی امارت وسلطنت روحانی ہے کہ آپ کی ہدایت اہل ایمان کے دلوں کو تسخیر کرے گی اور آپ کے ارشاد کا سکہ صالحین کے دلوں پر بیٹھ جائے گا۔

ششم یہ کہ جب امام مبعوث ہوں گے اور اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کریں گے اور آپ کے زمانہ میں فتوحات ہوں گے اور غنیمتیں آپ کے پاس آئیں گی تو آپ لوگوں کو بہت روپیہ دیں گے یہاں تک کہ فقیر تونگر ہوجائیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غنیمت اور روپیہ کی تقسیم بادشاہی اور سلطنت کے لوازم سے ہے جب مہدیؑ کا بادشاہ ہونا ثابت نہیں ہے تو غنیمتوں اور روپیوں کی تقسیم جو لوازم بادشاہی سے ہے آپ کے لئے لازم نہیں ہے۔ اور نیز جب مہدی خلیفۃ اللہ ہیں تو خلافت الٰہی کے لئے یہ شرط نہیں

ہے کہ وہ بادشاہ بھی ہو کیونکہ حقیقت میں سارے پیغمبران خدا اللہ تعالیٰ کے خلفاء ہیں۔ اگرچہ بعض کے حق میں خلافت الٰہی کی تصریح ہوچکی ہے جیسے آدمؑ و داؤد علیہ السلام اور بعضوں کے حق میں تصریح نہیں ہے تاہم جب وہ احکام خدا کو جاری فرماتے اور خلائق کو ہدایت وارشاد کا حکم کرتے ہیں تو ان کے خلفاء خدا ہونے میں شبہ نہیں ہے۔ پس جب خلیفہ خدا کے لئے ظاہری سلطنت شرط نہیں ہے تو امام مہدیؑ کے لئے بھی جو خلیفۃ اللہ ہیں بادشاہ ہونا شرط نہیں ہے اور فتوحات اور تقسیم غنیمت چونکہ لوازم بادشاہی سے ہے لہذا امام مہدیؑ کے لئے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

ساتویں شرط یہ کہ ترمذی شریف میں روایت کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''لاتذھب الدنیا حتی یملک العرب رجل من اھل بیتی یواطی اسمعہ اسمی'' وفی لفظ آخر ''حتی یلی رجل من اھل بیتی'' حالانکہ مہدیؑ مبعوث عنہ عرب کا مالک نہیں ہوا اس صورت میں وہ مہدی موعود نہ ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مہدیؑ اللہ کے خلیفہ ہیں چنانچہ سنن ابن ماجہ میں حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے اور جب آپ خلیفۃ اللہ ہیں تو یہ لازم نہیں ہے کہ آپ سرزمین عرب یا اور کسی قطعہ زمین کے مالک بھی ہوں۔ اسی واسطے ترمذی نے دوسرے الفاظ یہ ذکر کئے ہیں کہ حتی یلی رجل من اھل بیتی اس کے معنے یہ ہیں کہ تا آنکہ میری اہل بیت سے ایک شخص والی ہوجائے۔ یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے کہ لفظ ولایت سلطنت وملک سے عام ہے کیونکہ ولایت جس طرح کہ سلطنت وملک کے ساتھ پائی جاتی ہے سلطنت وملک کے بغیر بھی پائی جاسکتی ہے چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ ولی فلاں ابنہ یا ولی فلاں ابن ابنہ یعنے فلاں شخص اپنے بیٹے کا ولی ہے یا فلاں شخص اپنے پوتے کا ولی ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ باپ کو بیٹے کی ولایت اور دادا کو پوتے کی ولایت حاصل ہے اور یہ معنی نہ ہوں گے کہ باپ یا دادا کو بیٹے اور پوتے پر سلطنت وملک حاصل ہے غرض ولایت کا مفہوم سلطنت وملک کے بغیر بھی صادق آسکتا ہے۔ اس صورت میں حدیث مذکور کے یہ معنے ہوں گے کہ دنیا اس وقت تک نابود نہ ہوگی جب تک کہ میری اہل بیت سے کوئی شخص اہل دنیا کی ہدایت و ارشاد کیلئے والی نہ ہوجائے۔ پس ہدایت و ارشاد کی ولایت جس طرح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت تھی اسی طرح ولایت ہدایت وارشاد امامؑ کے لئے بھی ثابت ہوگی۔ غرض جیسا کہ آنحضرتؐ عرب اور دیگر قطعات زمین کے حاکم و مالک نہیں تھے اور آپ کی ولایت ہدایت وارشاد کا سمندر ساری زمین پر موج زن تھا اسی طرح امام مہدیؑ بھی قطعہ عرب یا دوسرے سرزمین کے حاکم و مالک نہیں ہیں اور آپ کی بھی ولایت ہدایت وارشاد کا دریا سارے سرزمین پر پھیلا ہوا ہے اور جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ولایت حاصل تھی کہ اپنی امت کو ہلاکت وگمراہی سے بچائیں اسی طرح امام مہدیؑ کو بھی یہ ولایت حاصل ہے کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاکت سے بچائیں۔ اسی واسطے آنحضرتؐ نے صاف اور کھلے ہوئے طور پر یہ بیان فرمایا کہ کیف تھلک امتی انا فی اولھا وعیسی فی آخرھا والمھدی من اھل بیتی فی وسطا۔ غرض امام مہدیؑ ہدایت وارشاد کے والی ہیں جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہدایت وارشاد کے والی تھے۔ خلاصہ یہ کہ لفظ یملک جو پہلی روایت میں ہے اس کے معنے مالک وحاکم کے نہیں ہیں بلکہ اس کے معنے والی کے ہیں اور دوسری روایت میں چونکہ یلی رجل ذکر کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ لفظ عرب کا ذکر نہیں کیا گیا ہے تو یہ لفظ غریب سمجھا جائے گا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کیف تھلک امتی الخ میں یہ خبر دی ہے کہ میری ساری امت کا محافظ اور ہادی زمانہ وسط میں مہدی ہوگا تو اس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہدیؑ کی ولایت عام امت محمدیہؐ پر ہوگی نہ یہ کہ صرف قطعہ عرب پر اس صورت میں جملہ یملک العرب میں لفظ العرب کا حذف جیسا کہ دوسری روایت میں کیا گیا ہے بہت بہتر ہے اور اس تقدیر پر حدیث کیف تھلک امتی الخ سے اس حدیث کے معنے میں مناسبت بھی ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ جن اصحاب نے اس طرح کی احادیث کو شرائط مہدیؑ میں ذکر کیا ہے انھوں نے مطلق یہ غور نہیں کیا کہ اخبار مغیبہ یعنے وہ حدیثیں کہ جن میں پیشین گوئیاں ہیں ان کے معانی میں بڑی دقت ہے اور وہ پیشین گوئیاں معانی حقیقی ولغوی پر بالکل محمول نہیں ہوتیں چنانچہ اس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ پیشین گوئیوں کے معانی میں بہت ہی دیانت اور اتقا کو پیش نظر رکھنا ضروری

ہے۔ کیونکہ پیشین گوئی دراصل امتحان عباداللہ ہے پس اس میں غور کرنا اور اس کی باریکیوں کی دریافت واجب ہے۔

واضح ہو کہ مورخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اسی طرح کے احادیث کے ظاہر الفاظ پر غور کر کے یہ رائے دی ہے۔ فان صح ظھور ھذا المھدی فلا وجہ لظھور دعوتہ الابان یکون منھم ویؤلف اللہ بین قلوبھم فی اتباعہ حتی تتم لہ شوکۃ و عصبیۃ وافیۃ باظھار کلمتہ وحمل الناس علیھا واما علی غیر ھذا لوجہ مثل ان یدعو فاطمی منھم الی مثل ھذا الامر فی افق من الآفاق من غیر عصبیۃ ولا شوکۃ الامجرد نسبتہ فی اھل البیت فلایتم ذلک ولایمکن لما اسلفناہ من البراھین الصحیحۃ یعنے اگر مہدیؑ کا ظہور صحیح ہو پس کوئی وجہ اس کی دعوت کے ظہور کے بجز اس کے نہیں ہو سکتی کہ وہ فاطمیوں میں سے ہو اور اللہ تعالیٰ اس کی اتباع کی محبت ان کے دلوں میں پیدا کر دے تا آنکہ اس کو پوری شوکت حاصل ہو جائے اور اس کی دعوت کے لئے اس کی عصبیت کافی ہو تو وہ دعوت کر سکتا ہے اور لوگوں کو اس پر برانگیختہ کر سکتا ہے اور اگر اس کو شوکت وعصبیت نہ ہو اور کسی قطعہ زمین پر وہ اپنی طرف دعوت کرے اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کو کافی سمجھ لے تو اس کو کامیابی نہ ہوگی۔

ابن خلدون کا یہ خیال ہے کہ مہدیؑ درحقیقت بادشاہ ہے پس اس کے لئے شوکت و عصبیت ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر امور سلطنت کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ ابن خلدون کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ مہدی کے اکثر اوصاف سے جو صحیح حدیثوں میں ذکر کئے گئے ہیں چند امور ثابت ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ مہدی علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں۔ چنانچہ ابن ماجہ نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے پس جو خلیفۃ اللہ ہوگا ضروری نہیں ہے کہ وہ بادشاہ بھی ہو۔

دوم یہ کہ مہدیؑ دافع ہلاکت امت ہیں چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو مشکوٰۃ میں ہے یہی بات ظاہر ہوتی ہے اور یہ واجب نہیں ہے کہ جو شخص دافع ہلاکت وگمراہی ہو وہ

بادشاہ بھی ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دافع ہلاکت و گمراہی ہیں مگر آپ بادشاہ نہیں ہیں اور یہ بات محتاج دلیل نہیں ہے۔

سوم یہ کہ مہدیؑ خاتم دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی روایت سے جو کہ طبرانی نے اپنے معجم اوسط میں کی ہے یہی بات ظاہر ہے اور خاتم دین کے لئے واجب نہیں ہے کہ وہ بادشاہ بھی ہو کیونکہ دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء بھی بغیر حکومت و سلطنت ہوئی ہے اسی طرح اس کی انتہا بھی بغیر حکومت و سلطنت ہونی چاہئے کیونکہ دین جدید کی ابتداء جس طرح دشوار ہوتی ہے اس کی انتہا اس طرح دشوار نہیں ہوتی۔ اور جب اس دین جدید کی ابتداء جو سارے ادیان کا ناسخ ہے بغیر شوکت و عصبیت اور بغیر حکومت و سلطنت ہوئی ہے اس کی انتہا میں بھی ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔

چہارم یہ کہ امام مہدیؑ صاحب دعوت ہیں چنانچہ حدیث یختم اللہ به الدین کما فتح بنا سے جو حماد و ابونعیم نے روایت کی ہے یہی بات ظاہر ہوتی ہے اور اس کی دو وجہ ہیں۔

اول یہ کہ خاتم دین کے لئے دعوت لازم ہے کیونکہ اگر وہ صاحب دعوت نہ ہوگا تو وہ کس چیز کا خاتم ہوگا۔

دوم یہ کہ جب مہدیؑ ہلاکت امت کے دافع ہیں تو آپ کا صاحب دعوت ہونا لازم ہے کیونکہ دافع ہلاکت اگر کسی امر کی طرف امت محمدیہؐ کی دعوت نہ کرے گا تو نجات کی راہ انہیں کس طرح معلوم ہو سکے گی اور ہلاکت و گمراہی سے کیونکر نجات پائیں گے۔ کیونکہ اگر امت محمدیہ مہدیؑ کی دعوت کے بغیر گمراہی و ہلاکت سے بچ سکتی ہے تو آنحضرت کا یہ خبر دینا بے سود ہے۔ کہ کیف تهلک امتی الخ

جب آپ کی اقتداء کی بغیر ہلاکت و گمراہی سے بچنا ممکن نہیں ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ امامؑ صاحب دعوت ہیں۔ اور جو شخص صاحب دعوت ہے لازم نہیں ہے کہ وہ صاحب شوکت اور صاحب سلطنت ہو۔ چنانچہ سب مرسلین صاحب دعوت ہیں مگر صاحب سلطنت اور صاحب شوکت نہیں ہیں کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہؐ نے جب اپنے نزدیک کے رشتہ

داروں پر دعوت کی اور ان کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی طرف بلایا تو وہ آپ کو برا کہنے اور تکلیف دینے لگے چنانچہ ابولہب نے تبًّالک یا محمد کہا تھا اور اس کی گستاخی کے جواب میں سورت تبت ید ابی لهب اتری تھی۔ اور اسی طرح دوسرے مشرکین رشتہ داروں سے آنحضرتؐ کو قسم قسم کی اذیتیں پہنچی تھیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان اذیتوں کی برداشت کرتے اور نہایت صبر و استقلال کے ساتھ پھر ان کو اللہ کی طرف بلاتے اور دین حق کی تعلیم فرماتے تھے۔ بالآخر ان ہی تکلیفوں اور اذیتوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ کی طرف چلے گئے ظاہر ہے کہ اگر آپ صاحب سلطنت و صاحب شوکت ہوتے تو یہ تکلیفیں اور اذیتیں آپ کو نہ پہنچتیں اور نہ آپ کو ہجرت فرمانے کی ضرورت محسوس ہوتی غرض آپ کی دعوت نے رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ پیدا کی اور بغیر شوکت و عصبیت کے آپ کے گروہ میں ترقی ہونے لگی تاہم اس قدر قوت نہ تھی کہ مسلمانوں کو اطمینان خاطر ہو جاتا صلح حدیبیہ تک بھی یہی حالت رہی اور دعوت کا اعلان دور دور کے قبیلوں تک پہنچتا رہا گروہ کے گروہ دین خدا میں داخل ہونے لگے۔ غرض فتح مکہ کے بعد کچھ نمایاں ترقی محسوس ہوئی۔ اسی طرح دیگر مرسلین مثلاً حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ کی یہی حالت تھی کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کافر طاغی کے سامنے بے یار و بے مددگار اپنی نبوت کی دعوت کی اور بے شوکت ظاہری اور بغیر حکومت و فرمانروائی کے اپنی باطنی قوت سے اس کو مجبور فرمایا اور اسی طرح حضرت عیسیٰؑ باوجود اپنے ضعف اور پستی کے متکبر کاہنوں اور سرکش یہودیوں کے مقابلہ میں اپنی مسیحیت کی دعوت کا ڈنکا بجایا۔ بالآخر نہایت اذیتیں اور تکلیفیں اٹھانے کے بعد آسمان پر آپ کا رفع ہو گیا۔ غرض انبیاءؑ کی دعوتیں اسی طرح ہوتی تھیں نہ انہیں شوکت تھی نہ عصبیت صرف اللہ کی مدد ان کے لئے کافی تھی اور دعوت کے وقت اسی مدد پر ان کو بھروسہ رہتا تھا اور اسی توکل کی وجہ سے بغیر شوکت و عصبیت ان کو دعوت الی اللہ میں پستی اور سستی نہ ہوتی تھی ہزاروں مصیبتیں ان پر پڑتی تھیں بلکہ اپنی جانیں بھی نذر خدا کر دیتے تھے چنانچہ ذکریا علیہ السلام و یحییٰ علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں کو کفار کی طرف سے یہی سلوک ہوا چنانچہ آیت فلم تقتلون انبیاء الله (البقرۃ:۹۱) اسی کی گواہ عادل ہے غرض اس تقریر سے واضح ہے کہ خلیفۃ اللہ اور صاحب دعوت کے لئے شوکت و عصبیت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کی دعوت کا حامی اور مددگار خود اللہ تعالیٰ ہے

پس ظاہری شوکت وعصبیت کی جیسا کہ ابن خلدون کا مقولہ ہے ضرورت نہیں ہے۔

آٹھویں شرط یہ ہے کہ ام سلمہؓ سے روایت ہے قال یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجل من اهل المدینة هاربا الی مکه فیاتیه ناس من اهل مکة فیخرجونه وهو کاره فیبایعونه بین الرکن والمقام فیبعث الیه بعث من الشام فیخسف بهم بالبیداء بین مکة والمدینة فاذا رای الناس ذلک اتاه اهل الشام وعصائب اهل العراق فیبایعونه الخ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مہدی سے ایک شامی لشکر لڑنے کے لئے آئے گا اور وہ مکہ ومدینہ کے درمیان زمین میں دھنس جائے گا چونکہ یہ شرط پوری نہیں ہوئی لہذا مدعی مہدیت کی مہدیت میں شبہ ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شامی لشکر کا مکہ ومدینہ کے درمیان زمین میں دھنس جانا اور اس واقعہ کا مہدیؑ کے زمانہ میں ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں ہے کیونکہ یہ ذکر حدیث میں نہیں ہے کہ مہدیؑ مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں جائے گا بلکہ اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ مدینہ والوں سے ایک شخص مکہ کو جائے گا اور اس سے رکن ومقام کے درمیان لوگ بیعت کریں گے۔ اس مدنی شخص سے لشکر شامی لڑنے آئے گا اور مکہ ومدینہ کے درمیان وہ لشکر زمین میں دھنس جائے گا پس یہ حدیث مہدیؑ پر صادق نہیں ہے بلکہ شامی لشکر کا خسف حضرت عبداللہؓ بن زبیر کے زمانہ میں ہوا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں مروی ہے۔ عن عبدالله القبطیه قال دخل الحارث بن ابی ربیعة و عبدالله بن صفوان و انامعهما علی ام سلمة ام المومنین فسالها عن الجیش الذی یخسف به وکان فی ایام الزبیر فقالت قال رسول الله صلی الله علیه و سلم یعوذ بالبیت فیبعث الیه بعث فاذا کانوا بالبیداء من الارض خسف بهم فقلت یا رسول الله فیکف بمن کان کارها قال یخسف به معهم ولاکنه یبعث یوم القیامة علی نیته یعنی حارث بن ابی ربیعہ وعبداللہ بن صفوان اور عبیداللہ القبطیہ ام سلمہؓ کے پاس حاضر ہوئے اور اس لشکر کی حالت عبداللہ نے پوچھی جو زبیر کے زمانہ میں خسف ہوا تھا پس ام سلمہ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیت اللہ میں پناہ لے گا پس اس کی طرف ایک لشکر

چڑھائی کرے گا جب وہ بیداء میں پہنچے گا تو زمین میں دھنس جائے گا اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ شامی لشکر کا مکہ ومدینہ کے درمیان زمین میں دھنسنا مہدیؑ کے زمانہ میں نہیں ہے بلکہ اس خسف کی خبر حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ سے متعلق ہے۔ پس جنھوں نے اس حدیث کو باب المہدی سے متعلق کیا ہے خطا کی ہے۔

خلاصہ تقریر یہ ہے کہ علامات مہدی موعود علیہ السلام میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں وہ سب اس بات کی ثابت کرتی ہیں کہ مہدیؑ کا پیدا ہونا ضروری ہے اور چونکہ یہی امر دوسرے احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے لہذا مہدی موعودؑ کا پیدا ہونا خبر متواتر ہوگا اور دیگر صفات وعلامات جن کا منشاء اخبار آحاد ہیں ظنی ہوں گے پس ان میں جانچ پڑتال کی بے حد ضرورت ہے۔ بعضے لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ خبر مہدیؑ کی ساری حدیثیں ضعیف ہی نہیں ہیں بلکہ موضوع ہیں کیونکہ خلیفہ مہدی بن منصور عباسی کے زمانے میں بعضے دنیا طلب علماء نے زمانہ سازی کی غرض اور خلیفہ مہدی کے پاس اپنے رسوخ کے خیال سے ان حدیثوں کی وضع کی ہے۔ پس یہ حدیثیں اس قابل نہیں ہیں کہ ان کے ملاحظہ سے مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انتظار زمانہ مستقبل میں کیا جائے یا کسی شخص کو ان احادیث کی وجہ سے موعود تسلیم کرلیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جس مہدی کے انتظار کرنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے وہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولاد فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے ہے۔ یہ وہی شخص ہے جو لوگوں کو فتنہ سے بچائے گا اور امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاکت سے نجات دے گا اور اسی پر دین ختم ہوگا اور زمین کو ایمان کی روشنی سے منور کرے گا۔ چنانچہ اس جگہ چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ مہدی منتظر فاطمۃ الزہراء کی اولاد سے ہے۔

پہلی حدیث حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے عن سعید بن المسیب عن ام سلمةؓ قالت سمعت رسول الله صلی الله علیه و سلم یقول المهدی من ولد فاطمة رضی الله عنها یعنی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ مہدی علیہ السلام فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہیں۔

سنن ابوداؤد میں بھی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہی روایت ہے کہ امام مہدی فاطمہؓ کی اولاد سے ہیں۔

دوسری حدیث عن ابی اسحق النسفی قال قال علی ونظر الی ابنه الحسن ان ابنی هذا سید کما سماه رسول الله صلی الله علیه و سلم سیخرج من صلبه رجل یسمی باسم نبیکم یشبه فی الخلق ولایشبه فی الخلق یملا الارض عدلا یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میرا یہ لڑکا سید ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام سید ہی رکھا ہے اس سے ایک شخص پیدا ہوگا جو تمہارے نبی کا ہم نام ہوگا اور نبی سے خلق میں مشابہ ہوگا اور ہمشکل نہ ہوگا۔ زمین کو عدل سے بھر دے گا۔ یہ حدیث سنن ابوداؤد میں مروی ہے۔

تیسری حدیث عن ابن عمر رضی الله عنه قال یخرج رجل من ولد الحسین من قبل المشرق ولو استقبلته الجبال لهد مها واتخذفیها طرقا اخرجه الحافظ القاسم فی معجمه والحافظ ابو نعیم الاسبهانی والحافظ ابو عبدالله نعیم بن حماد فی کتاب الفتن ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ایک شخص مشرق کی طرف سے ظاہر ہوگا اگر پہاڑ اس کے سامنے آئیں گے تو ان کو گرا دے گا اور ان میں راستے پیدا کرلے گا حافظ ابوالقاسم نے اپنی معجم اور حافظ ابونعیم اصفہانی اور حافظ ابوعبداللہ نعیم بن حماد نے کتاب الفتن میں روایت کی ہے۔

چوتھی حدیث عن حذیفة رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال لولم یبق من الدنیا الایوم واحد لبعث الله تعالی فیه رجلا اسمه اسمی و خلقه خلقی یکنی ابا عبدالله یبایع له الناس بین الرکن والمقام یرد الله به الدین و یفتح له فتوحا فلا یلقی علی وجه الارض الا یقول لا اله الا الله فقام سلیمان فقال یا رسول الله ای ولدک هو قال ولدابنی هذاوضرب بیده علی الحسین رضی الله تعالی عنه یعنی حذیفہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا کا ایک دن بھی باقی رہے گا تو اس دن میں اللہ تعالیٰ ایک شخص کو پیدا کرے گا جو میرا

ہم نام اور ہم خلق ہوگا اس کی کنیت ابوعبداللہ ہوگی۔ رکن و مقام کے درمیان لوگ اس سے بیعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے پہلی حالت کی طرف دین کو رد کرے گا۔ اس کے لئے فتوح بھی ہوگی زمین پر ایسے لوگوں سے نہ ملے گا کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہتے ہوں۔ سلیمان نے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ شخص آپ کے کونسے فرزند کے اولاد سے ہوں گے فرمایا میرے اس فرزند کی اولاد سے اور حسینؓ کو اپنے ہاتھ سے مار کر اشارہ فرمایا۔ واضح ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو پہلے ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ امام مہدی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہ و حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ امامؑ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ ان روایتوں کا قدر مشترک یہی ہے کہ امام مہدیؑ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہیں چنانچہ سابق کی روایتوں سے بھی یہی امر ثابت ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ کہنا ہوگا کہ امام مہدیؑ کا فاطمی النسل ہونا امر قطعی ہے اور حسنی یا حسینی ہونا امر ظنی ہے۔

پانچویں حدیث عن ابن عمر رضی الله عنه قال رسول الله صلی الله علیه و سلم لاتقوم الساعة حتی یخرج رجل من ولدی اسمه کاسمی و کنیته ککنیتی یملاء الارض عدلا کما ملئت جورا۔ یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی تا آنکہ ایک شخص میری اولاد سے نہ نکلے جو میرا ہمنام ہوگا اور میرا ہم کنیت ہوگا۔ چوتھی حدیث جو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے ظاہر ہوتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کی کنیت ابوعبداللہ ہوگی اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی کنیت ابوالقاسم چونکہ یہ دونوں خبر واحد ہیں لہذا ظنی ہیں۔ ان دونوں میں سے قطعی وہی روایت ہوگی جس کا وقوع ہو پس ہمارے پاس ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت اس خبر میں قطعی ہے کہ امام علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم کنیت ہیں کیونکہ اسی روایت کے موافق وقوع بھی ہوا ہے۔ یعنی امام علیہ السلام کی کنیت ابوالقاسم تھی۔

واضح ہو کہ اس روایت میں اور عمران بن حصینؓ کی روایت اور حذیفہؓ کی دیگر روایتوں میں لفظ ولدی ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے فاطمۃ الزہراؑ مراد ہوں گے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

کسی روایت میں یہ مروی نہیں ہے کہ امام علیہ السلام کسی دوسری صاحبزادی کی اولاد سے ہوں گے۔

چھٹی حدیث عن ابی وائل رضی اللہ عنہ قال نظر علیؓ الی الحسین رضی اللہ عنہ فقال ان ابنی ھذا سید کما سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سیخرج من صلبہ رجل باسم نبیکم یخرج علی حین غفلۃ من الناس و امامہ الحق واظہار الجود یفرح بخروجہ اھل السماء وسکانھا وھور جل اجلی الجبھۃ اقنی الانف ضخم البطن اذیل الفخذین بفخذہ الایمن شامۃ افلج الثنایا یملاء الارض عدلا کما ملئت ظلما وجورا یعنی ابی وائل سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے حسین رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میرا یہ لڑکا سید ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے بھی یہی نام رکھا ہے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمنام شخص اس سے پیدا ہوگا اس وقت میں کہ لوگ دین سے غافل ہو جائیں گے۔ اس کے پیش نظر حق اور اظہار جود ہوگا اہل آسمان اس شخص کے پیدا ہونے سے خوش ہیں۔ یہ شخص روشن پیشانی والا سیدھی ناک والا بڑی پیٹھ والا پتلی رانوں والا ہے اس کی سیدھی ران پر ایک تل ہوگا اس کے دانتوں میں فصل ہوگا۔ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی۔

واضح ہو کہ بعضے روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام مہدیؑ حسینی ہیں اور بعضے روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حسنی ہیں ان میں سے بعض حدیثوں کے راوی جدا جدا ہیں اور بعضے حدیثیں ایک ہی راوی سے مروی ہیں چنانچہ ہم نے حضرت علیؓ سے دو روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک روایت اس بات پر دلیل ہے کہ امام علیہ السلام حسنی ہیں اور دوسری روایت اس پر دلیل ہے کہ امام مہدی علیہ السلام حسینی ہیں چونکہ یہ سب اخبار آحاد ہیں احتمال ہے کہ جس روایت میں لفظ حسن مذکور ہے اصل میں حسین ہو یا اس کے برعکس غرض یہ دونوں احتمال پیدا ہو سکتے ہیں مگر اس طرح کی روایتیں اس امر پر قطعی دلیل ہو سکتی ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام فاطمی ہیں۔ اکثر حدیثوں میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ امام علیہ السلام اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں چنانچہ سنن ابوداؤد میں علی رضی اللہ سے اور فوائد حافظ ابونعیم میں ابوہریرہؓ سے اور سنن ابوعمر عثمان المقری میں ابی سعید

خدری رضی اللہ عنہ سے اور جامع ترمذی میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور ابونعیم نے عبداللہ ابن عمرؓ سے اور دیگر محدثین نے اپنی مسانید و سنن میں لکھا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون اشخاص مراد ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علی رضی اللہ عنہ و فاطمۃ الزہرا و حسین و حسن رضی اللہ عنہم مراد ہیں چنانچہ ترمذی شریف میں روایت ہے عن سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال لما نزلت ھذہ الایۃ ندع ابناء ناوابناء کم ونساء ناونساء کم دعا رسول اللہ علیا و فاطمۃ وحسنا و حسینا وقال اللھم اھلی یعنی سعد ابن ابی وقاص سے روایت ہے کہ جب آیت ندع ابناء ناوابناء کم الخ اتری آنحضرتؐ نے علی و فاطمہ و حسن و حسین کو بلا کر فرمایا کہ اے اللہ یہ میری اہل بیت ہیں اور نیز ترمذی میں روایت ہے۔ عن ام سلمۃؓ قالت نزلت ھذا الایہ وانا جالسۃ علی الباب بیت النبی صلی اللہ علیہ و سلم انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا وفی البیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و فاطمۃ والحسن والحسین فجللھم بکساء و قال ان ھولاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھر ھم تطھیرا قلت یا رسول اللہ الست من اھل البیت فقال انک الی خیر انت من ازواج النبی صلی اللہ علیہ و سلم ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت اتری اور میں نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے دروازہ پر کھڑی ہوئی تھی اور وہ یہ آیت تھی کہ اللہ تعالیٰ تم سے پلیدی دور کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اے اہل بیت اور تم کو خوب پاک کرے گا اور گھر میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فاطمۃ الزہرا اور حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے رسول اللہ نے ان کو اپنی چادر میں لے لیا اور فرمایا کہ یہ میری اہل بیت ہیں ان سے پلیدی دور کر دے اور ان کو خوب پاک کر دے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اہل بیت سے نہیں ہوں فرمایا تو نیکوکار ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں سے ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت میں رسول اللہ صلعم کی بیبیاں داخل نہیں ہیں اور حق بھی یہی ہے کیونکہ کسی شخص کے اہل بیت سے وہی

لوگ مراد ہوتے ہیں جن کی رشتہ داری کسی حالت میں منقطع نہ ہو اور زوجہ کی یہ حالت نہیں ہے کیونکہ اس کا اپنے شوہر سے جدا ہو جانا ممکن ہے اور عام عورتوں کا یہی حکم ہے مگر اس حکم سے ازواج مطہرات رسول اللہ صلعم کرامت وعظمت کی وجہ سے خارج ہیں۔ غرض ام سلمہ کی حدیث سے اہل بیت کی جو تفسیر مفہوم ہوتی ہے انسؓ وعائشہؓ وزید ابن ارقمؓ کی روایتوں سے یہی تفسیر مروی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اشخاص مذکورہ ہی مراد ہیں۔ ان حدیثوں کو جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ مہدیؑ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہیں۔ اس صورت میں ان لوگوں کی کیا مقصد برآری ہوگی جو ایک عباسی النسل کی خوشنودی کیلئے فاطمی النسل مہدی کی حدیثیں وضع کی ہوں بلکہ ایسی کارگذاری سے ان کی حماقت اور بے انتہا بے ہودگی ثابت ہوگی کیونکہ ایسی حدیثوں سے خلافت مہدی عباسی کا انکار ثابت ہوتا ہے غرض ان کا یہ خیال بے ہودہ اور سوال کودکانہ ہے۔

بعضے دنیا طلب اور دین سے آزادی کے طالبوں نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے جب خلافت وامارت جاتی رہی اور دنیاوی عزت وحرمت ان سے رخصت ہوگئی۔ مسکنت واحتیاج نے ان کو ذلیل کر دیا اور دوسری قوموں کے دست نگر ہو گئے۔ امراء بنی امیہ وبنی عباس کی نظروں میں خوار وزبون نظر آنے لگے تو انھوں نے اپنی آئندہ نسلوں کی بہبودی کے لئے یہ تدبیر سوچی کہ چند ایسی حدیثیں اس مضمون کی وضع کر دی جائیں جن سے یہ امر ثابت ہو جائے کہ آئندہ زمانوں سے کسی ایک زمانہ میں پھر کسی فاطمی النسل کا عروج ہوگا اس کی حکومت شرقاً وغرباً ہوگی زمین عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ پس چند حدیثیں اسی مضمون کی وضع کر دیں اور ان میں یہ ذکر کر دیا کہ فاطمۃ الزہرا کی اولاد سے ایک عظیم الشان شخص پیدا ہوگا جس کا لقب مہدیؑ ہے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا اور خلیفۃ اللہ بھی ہوگا اور دین بھی اس پر پورا ہو جائے گا غرض یہ ساری حدیثیں موضوع ہیں ان کی اصل کچھ بھی نہیں ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ ایک دہریانہ تقریر ہے اور اس شبہ کا دائرہ ایسا وسیع ہے کہ اس سے سب دینیات کا ابطال ہو جاتا ہے کیونکہ یہ خیال کرنا بے جا نہ ہوگا کہ سب اسلامی فرقوں کی یہی حالت ہے مثلاً یہ کہنا درست ہوگا

کہ حنفیہ نے اپنا مذہب چلانے کی غرض سے چند حدیثوں کو بنا لیا اور ان پر اپنے اصول کی بناء قائم کی اور اصل یہ ہے کہ ان میں سے ایک حدیث بھی صحیح ودرست نہیں ہے اور یہی گمان ان حدیثوں پر بھی ہوگا جن کو امام شافعیؒ وامام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے مذہبوں کے ثبوت میں استدلالاً پیش کیا ہے اور یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ہر شخص نے اپنے مذہب کی طرف داری اور اپنے فریق مقابل کی تردید کے لئے بہت سی حدیثیں وضع کر دیں اپنے مطالب پر ان ہی موضوعہ احادیث سے دلیل پیش کی ہے غرض جب محدثین کی روایتوں میں باوجود ان کے محتاط ومتقی ہونے کی یہ بدگمانی کی جاتی ہے کہ ان لوگوں نے حکومت اور ملک داری کے منصوبہ سے احادیث امام علیہ السلام کی وضع کر دی ہے تو یہ گمان کیونکر مضبوط نہ ہوگا کہ ہر امام مجتہد نے اپنے مذہب کو رونق دینے اور اس میں وسعت دینے کی غرض سے ایسی حدیثیں وضع کر دی ہوں جن سے اس کے مذہب کو قوت اور رونق ہو سکے۔ اور مورخوں نے بھی نہایت آزادی اور دل کھول کے ان ہی کی پیروی کی۔ غرض جن لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے انھوں نے دراصل سارے مذہبوں کی بیخ کنی کی کوشش کی ہے بلکہ اس وسیع خیالی سے معاذ اللہ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ سارے ادیان کی یہی حالت ہو کیونکہ ممکن ہے کہ بعض عقلمندوں نے اپنے زمانوں میں اس خیال سے کہ نظام تمدنی قائم ہو جائے اپنی من گھڑت سیاسی انتظامی وملکی قوانین کو شریعت منزلہ کہدیا ہو اور اسی نظام تمدنی کے قیام کی غرض سے ہر زمانہ میں ایک ایک پیغمبر یا کئی پیغمبروں کے پیدا ہونے کی پیشین گوئیاں کی ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس بدگمانی کی وسعت سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی مذہب اور کوئی دین اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا نہیں ہے پس خیال مذکور بالکل دہریانہ ہے۔ بعضے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مہدی علیہ السلام اور عیسیٰؑ دو شخص نہیں ہیں بلکہ عیسیٰؑ ہی مہدی ہیں چنانچہ حدیث لا مهدی الا عیسیٰ اسی بات کو ثابت کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث لامهدی الا عیسیٰ بن مریم ضعیف بلکہ موضوع ہے اس حدیث کی روایت کا یہ سلسلہ ہے عن محمد بن خالد الجندی عن ابان بن صالح بن ابی عیاش عن حسن البصری عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم انہ قال لامهدی الا عیسی بن مریم یحییٰ بن معین نے محمد بن خالد الجندی کو ثقہ کہا ہے اور ان کے حفظ میں ان کو

سکوت ہے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ محمد بن خالد اس روایت میں متفرد ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ مجہول شخص ہے۔ ابانعن الحسن سے اس کی کوئی روایت نہیں ہے اور ابان بن ابی عیاش کی روایت بھی حسن سے متروک ہے۔ صاحب عقد الدرر کہتے ہیں کہ نسائی نے اس روایت کو منکر کہا ہے بیہقی نے محمد بن خالد الجندی کو مجہول کہا ہے اور ابن ابی عیاش کو متروک۔ غرض اس روایت کے ضعیف اور مضطرب ہونے میں شبہ نہیں ہے۔ پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ امام مہدی موعود علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی شخص ہیں بے دلیل ہے۔

یہ امر ظاہر ہے کہ ہم نے اس کے پہلے جو حدیثیں ذکر کی ہیں ان سے یقینی طور پر دو امر ثابت ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ امام مہدی علیہ السلام فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد سے ہیں۔

دوم یہ کہ امام مہدی علیہ السلام امت محمدؐ کے وسط میں ہوں گے چنانچہ حدیث کیف تھلک امتی انا فی اولھا وعیسی فی آخرھا والمھدی من اھل بیتی فی وسطھا اسی بات کو ثابت کرتی ہے یہ حدیث مشکوٰۃ و رزین و مسند امام احمد بن حنبل میں مروی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مہدی علیہ السلام ابن رسول اللہ صلعم ہیں اور عیسیٰ ابن مریم ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مہدی امت محمدؐ کے وسط میں پیدا ہوں گے اور عیسیٰ امت محمدؐ کے آخر میں نازل ہوں گے کیونکہ دو مستقل خلیفوں کا ایک زمانہ میں جمع ہونا باطل ہے اس صورت میں حدیث مذکور جو خود ضعیف اور دوسری روایتوں سے متعارض ہے لائق حجت نہیں ہے۔

واضح ہو کہ ہمارے معاصر ''مرزا غلام احمد قادیانی گرداس پوری پنجابی'' نے اس دعویٰ کرنے کے بعد کہ میں مثیل مسیح ہوں یہ بھی دعویٰ کر دیا کہ میں ہی مہدی موعود ہوں اور اس پر حدیث لا مھدی الا عیسیٰ بن مریم سے حجت کی اور ان حدیثوں سے سخت بے اعتنائی کی جن میں یہ خبر دی گئی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم ہیں اور زمانہ آخر میں آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے جب یہ حدیثیں ان پر صادق نہیں آتی تھیں تو ان میں دور از قیاس تاویلیں کیں جن میں سے ایک تاویل بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر مرزا صاحب خود غور کرتے تو ان کے لئے نہ دعوئے

مسیحیت زیبا تھا اور نہ دعوئے مہدیت شایاں کیونکہ غلام احمد صاحب نہ ابن مریم تھے اور نہ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ کسی مرزا کی اولاد سے تھے اس صورت میں اگر وہ کسی عام پہلو کو اختیار کرتے اور بڑے شیخ المشائخ بن بیٹھتے تو مناسب تھا مگر انھوں نے ایک ایسا دعویٰ کیا جو کسی طرح ان پر چسپاں نہیں ہو سکتا اور پھر اس دعوئے پر بھی قناعت نہیں کی بلکہ یہ بھی بیان کیا میں سری کشن بھی ہوں اور یہ نہیں غور کیا کہ ہدایت و ضلالت کس طرح ایک شخص میں جمع ہو جائے گی۔ اب ہم اس بحث کو یہاں چھوڑ دیتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ جن حدیثوں کو ہم نے سابق میں ذکر کیا ہے ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں اور خطا سے معصوم اور ہلاکت امت کے دافع ہیں۔ پس مہدی اس وجہ سے کہ خلیفۃ اللہ اور دافع ہلاکت امت محمدیہ ہیں انبیاء علیہم السلام کے حکم میں ہیں۔

امر اول کا بیان یہ ہے کہ ثوبانؓ کی روایت سے جو حاکم و ابونعیم و ابن ماجہ نے کی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی خلیفۃ اللہ ہیں اور یہ وہ روایت ہے عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہؐ یقتتل عند کنزکم ثلثۃ کلھم ابن خلیفۃ لایصیر الی واحد منھم ثم تطلع الرایات السود من قبل المشرق فیقاتلونکم قتلالم یقتلہ قوم ثم یجیٔ خلیفۃ اللہ فاذا سمعتم بہ فاتوہ فبایعوہ ولو حبوا علی الثلج فانہ خلیفۃ اللہ المھدی

اس حدیث کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے اس حدیث سے ثابت ہے کہ امام مہدی خلیفۃ اللہ ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوگا ضرور ہے کہ وہ خطا سے معصوم ہو اور اگر وہ خطا سے معصوم نہ ہوگا تو اس کے احکام میں خطا کا احتمال ہوگا اس صورت میں اس کا ہر حکم صدق و کذب کا محتمل ہوگا پس اس کی تصدیق فرض نہ ہوگی لہذا جو شخص خلیفۃ اللہ ہو اس کا خطا سے معصوم ہونا واجب ہے۔

قرآن شریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خلیفہ خدا وہ شخص ہوتا ہے جس کو علم اسماء عطا کیا گیا ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وعلم آدم الاسماء کلھا (البقرۃ:۳۱) یعنی آدم علیہ السلام کو اس وجہ سے کہ وہ خلافت الٰہی سے موصوف ہے اللہ تعالیٰ نے اسماء کی تعلیم فرمائی کلمہ اسماء پر چونکہ الف و لام استغراقی داخل ہوا ہے اور لفظ کلھا سے اس کی تاکید بھی کی گئی ہے لہذا ضرور ہے کہ آدم

علیہ السلام ہر اسم کے عالم ہوں اس طرح کہ ان کے علمی احاطہ سے کوئی اسم باہر نہ ہو جائے۔ پس یہ استغراق اسماء خالق اور اسماء مخلوقات کو شامل ہوگا پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہو واجب ہے کہ وہ اسماء خالق اور اسماء مخلوقات کا عالم ہو پس امام مہدی علیہ السلام اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں اسماء خالق اور اسماء مخلوقات کے عالم ہوں گے۔

امر دوم یہ کہ مہدی دافع ہلاکت امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ حدیث کیف تھلک امتی الی آخرہ سے ظاہر ہے۔ امت محمدیہ میں جو احتمال ہلاکت ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی بھلائی کی خبر دی ہے جو قرون ثلثہ میں تھے ان زمانوں کے بعد خیریت مظنون ہوگی کیونکہ مسلمانوں کے عقائد و اعمال میں اختلاف ہو گیا تیسری صدی میں اکثر مسلمان فلسفہ کی طرف مائل ہو گئے ہزاروں نئے خیال اور بدعتیں اسلام میں داخل ہو گئیں اور ہر فرقہ اپنے مقابل کے فرقوں کو بُرا بھلا کہنے لگا غرض موافق فرمان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ستفترق امتی علی ثلاثہ وسبعین فرقۃ کلھا فی النار الا واحدۃ یعنی میری امت تہتر فرقوں میں متفرق ہو جائے گی ان میں ایک فرقہ ناجی ہوگا اور سب دوزخ میں جائیں گے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مصلحت سے کہ امت ہلاکت سے بچے یہ فرمایا کہ میری امت ہلاک نہ ہوگی کیونکہ امت کے پہلے حصہ میں میں ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام امت کے پچھلے حصہ میں ہوں گے اور مہدی علیہ السلام امت کے وسطانی حصہ میں ہوں گے جب میری امت کے تین ہادی ہیں تو امت ہلاک نہ ہوگی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کیفیت ہدایت ان تینوں حضرات مقدسہ کی یکساں ہے یعنی اس میں کمی و بیشی نہیں ہے۔

تبصرہ

ہمارے پچھلے بیان سے معلوم ہوا ہوگا کہ امام مہدی علیہ السلام کی مجی اشد ضروری ہے اور اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں۔

ایک یہ کہ امام علیہ السلام امت کی ہلاکت و گمراہی کے دافع ہیں۔ دوم یہ کہ احادیث صحیحہ اس بات کی خبر دیتی ہیں کہ اگر اختتام دنیا کے لئے صرف ایک دن باقی رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو ایسا دراز کرے گا کہ اس میں امام علیہ السلام پیدا ہو جائیں گے۔ چنانچہ سنن ابوداؤد میں مروی ہے۔ لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ ذلک الیوم حتی یبعث اللہ تعالیٰ فیہ رجلا من امتی او من اھلی بیتی یواطی اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی۔ اس حدیث کا ترجمہ گزر چکا ہے۔ عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت میں لطول اللہ ذلک الیوم سنن ابی شیبہ میں بھی یہی روایت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے طبرانی نے افراد میں اور حافظ ابونعیم و حاکم نے اپنی اپنی کتابوں میں اسی مضمون کی روایت کی ہے۔ ان حدیثوں کا خلاصہ یہی ہے کہ مہدی علیہ السلام کا پیدا ہونا ضروریات دین سے ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو اس بیان کی ضرورت نہ ہوتی کہ اگر دنیا کا ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو وہ اس قدر دراز کر دیا جائے گا کہ اس میں امام علیہ السلام مبعوث ہو جائیں۔ اب رہی یہ بات کہ اس قدر ضرورت جو ان حدیثوں میں بتائی گئی ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ اس کا یہ بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی ہے کہ امامؑ خاتم دین ہیں چنانچہ کئی روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ پہلی حدیث نعیم بن حماد اور ابونعیم نے روایت کی ہے عن علی رضی اللہ عنہ قال قلت یا رسول اللہ امنا آل محمد المھدی ام من غیر نا فقال لا بل منا یختم اللہ بہ الدین کما فتح بنا۔

واضح ہو کہ آل محمدؐ لفظ منا سے بدل واقع ہوا ہے۔ یعنے حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم آل محمدؐ میں امام مہدیؑ بھی ہیں یا نہیں فرمایا ہم میں سے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے دین کو ختم کردے گا جیسا ہم سے اس کی ابتداء کی ہے۔ طبرانی نے بھی معجم اوسط میں علی رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کی ہے مگر اس کے الفاظ میں کچھ اختلاف ہے عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال للنبی صلی اللہ علیہ و سلم امنا المھدی ام من غیر نایا رسول اللہ فقال بل منا بنا یختم اللہ کما بنا فتح جملہ بنا یختم اللہ میں سے مفعول حذف کردیا گیا ہے اور وہ پہلی روایت سے ظاہر ہے یعنے لفظ دین ہے اس حدیث کے معنے وہی ہیں جو پہلی حدیث کے ترجمہ میں بیان کئے گئے۔

دوسری حدیث حافظ ابوبکر بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں روایت کی ہے عن ابی سعید مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ قال سمت ابن عباس رضی اللہ عنہ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم انی لارجوان لاتذھب الایام واللیالی حتی یبعث اللہ منا اھل البیت غلاما شابا حد ثالم تلبسہ الفتن ولم یلبسھا یقیم امر ھذہ الامۃ کما فتح ھذا الامر بنا ارجوان یختمہ اللہ بنا

ابی سعید مولیٰ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ابن عباسؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فرماتے تھے کہ دنیا کے دن رات ختم نہ ہوں گے تا آنکہ ہم اہل بیت سے ایک نوجوان شخص پیدا نہ ہوجائے۔ یہ وہ شخص ہے جو امت کے کاموں کو سیدھی راہ پر لائے گا۔ پس جس طرح کہ یہ امر (دین) ہم سے شروع ہوا ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا اختتام بھی ہم ہی پر فرمائے گا۔ یعنے جب مہدیؑ اہل بیت رسول اللہ سے ہیں تو آپ کا خاتم دین ہونا یعنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم دین ہونا ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ مہدیؑ چونکہ خاتم دین رسول اللہؐ ہیں آپ کا پیدا ہونا نہایت ضروری ہے ورنہ دین کا ختم ہونا ممکن نہیں ہے۔ اب یہ بات لائق اظہار ہے کہ حضرت امام مہدیؑ اپنی تشریف آوری کے بعد کن امور دینی کو بیان کرکے دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم فرمائیں گے اور ان ہی امور کی دعوت بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے کریں گے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید کی تعلیمات تین چیزوں میں منحصر ہیں۔

اول۔ علم الاسلام۔ دوم۔ علم الایمان۔ سوم۔ علم الاحسان۔

چنانچہ یہ تینوں چیزیں اس حدیث سے صاف ظاہر ہیں جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے صحابہؓ کے روبرو آنحضرتؐ سے ان چیزوں کا سوال کرکے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کی حقیقت سے آگاہ فرمایا تھا اور وہ یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ لقد کنت الی جنب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم وھذا الشیخ معی اذ دخل علینا رجل حسن اللمۃ متعمما نحسبہ من رجال البادیہ فتخطی رقاب الناس فوقف بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فقال یا رسول اللہؐ ماالایمان فقال شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ وتؤمن بملائکتہ و کتبہ و رسلہ و بالیوم الآخر والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ ○ فقال صدقت فتعجبنا بقولہ لتصدیقہ رسول اللہ علیہ السلام مع جھل اھل البادیۃ فقال یا رسول اللہ ماشر ایع الاسلام فقال اقامۃ الصلاۃ وایتاء الزکوۃ وصوم رمضان وحج البیت والاغتسال من الجنابۃ فقال صدقت قال فتعجبنا بقولہ بتصدیقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کانہ یعلمہ فقال یا رسول اللہ ماالاحسان قال ان تعمل اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک فقال صدقت ○ فقال یا رسول اللہ متی الساعۃ قال فما المسئول عنھا باعلم من السائل ثم قفا فلما توسط الناس لم یرقال النبیؐ ان ھذا جبریل اتاکم لیعلمکم معالم دینکم یہ حدیث ابومطیع بلخی نے فقہ اکبر میں جو حضرت امام اعظم کی ہے لکھی ہے اور صحیحین میں بھی یہ حدیث مروی ہے مگر الفاظ میں کہیں کمی وبیشی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازو پر تھا اور یہ بزرگ میرے ساتھ تھے کہ ایک صاحب خوبصورت بالوں والے عمامہ باندھے ہوئے گاؤں والوں کے سے لوگوں کی گردنیں لانگتے ہوئے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کھڑے ہوگئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کسے کہتے ہیں۔ فرمایا اس امر کی گواہی دینا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور پیغمبر ہیں اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور پیغمبروں

اور قیامت اور تقدیر پر کہ نیکی و بدی اس کی طرف سے ہے۔ کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ ہم کو تعجب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتا ہے کہ آپ نے سچ فرمایا۔ باوجود یکہ گاؤں والے نادان ہوتے ہیں پھر کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قواعد اسلام کیا ہیں۔ فرمایا نماز پڑھنی زکوٰۃ دینی اور رمضان کے روزے رکھنے اور کعبہ کا حج کرنا اور جنابت سے غسل کرنا۔ کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ ہم کو تعجب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی ایسی تصدیق کرتا ہے گویا آپ کو سکھاتا ہے۔ پھر پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسان کیا ہے فرمایا کہ اس طور سے عبادت کر کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو یہ تصور نہ کر سکے تو یہ تصور کر کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے۔ کہا کہ سچ فرمایا۔ پھر پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب ہے۔ آپ نے فرمایا میں سائل سے بڑا عالم نہیں ہوں پھر اس نے پیٹھ پھیری اور لوگوں کی بھیڑ میں چلا گیا اور دکھائی نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام تھے تمہارا دین تم کو سکھانے آئے تھے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت منزلہ کی تین شاخیں ہیں۔

پہلی۔ ایمان　　دوسری۔ اسلام　　تیسری۔ احسان

اور قرآن شریف بھی ان چیزوں کے بیان کو حاوی ہے مگر ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "ایمان اور اسلام" کا بیان پوری طور سے فرمایا چنانچہ ہزاروں حدیثیں اور سینکڑوں کتابیں ان ہی دونوں چیزوں کے مضامین پر موجود ہیں اور ان ہی دونوں چیزوں کی تعلیم دیتی ہیں۔ اور احسان جو شریعت منزلہ اور قرآن مجید کی تیسری شاخ تھی اس کی تفصیلی تعلیم کسی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی۔

حدیث مذکور کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ احسان سے صرف دیدار خدا مراد ہے کیونکہ الفاظ حدیث ان تعمل اللہ کانک تراہ یان تعبداللہ کانک تراہ دیدار خدا کو ثابت کرتے ہیں اور اس کی تنقیح و تحقیق نہ کسی آیت میں ہے نہ حدیث میں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ احسان کا بیان مبہم چھوڑ دیا گیا۔ تا آنکہ بعض اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مثلاً ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ آپ نے جواب دیا کہ

نورانی رآہ یعنی وہ نور ہے اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں۔

غرض احکام احسان کو آپ نے مبہم چھوڑ دیا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ اس کے دقائق بھی بیان کئے گئے ہوتے تو دیدار کے مسئلہ میں اختلاف نہ ہوتا۔ اسلامی فرقوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اسلامی فرقے دیدار خدا کے قائل نہیں ہیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ ان میں سے صرف اہل سنت اس بات کے معتقد ہیں کہ آخرت میں بلا کیف دیدار خدا ہوگا۔

پس اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام احسان کو دعوت کے طور پر نہیں بیان فرمایا مگر جس میں ان احکام کی قابلیت دیکھی کچھ تعلیم کر دی مثلاً حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس کے کچھ احکام بیان فرمائے تھے اسی واسطے صوفیہ رضی اللہ عنہ کی کل تعلیمات کے مخزن و سرچشمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سمجھے جاتے ہیں اور جملہ خاندان صوفیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ہی پہنچتے ہیں۔

حاصل یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ احکام احسان میں زیادہ تر سختی ہے اس کی تعلیم نہیں فرمائی بلکہ اپنی اولاد سے ایک شخص کے پیدا ہونے کی خبر دی اور بیان فرمایا کہ وہ میرا ہم نام ہوگا اور اس کے ماں باپ میرے ماں باپ کے ہم نام ہوں گے اور وہی مہدی (علیہ السلام) اور اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوگا اور وہی خاتم دین بھی ہے۔ اس کے ہاتھ پر ضرور ہے کہ میری امت بیعت کرے گو ان کے اور اس کے درمیان برفانی ٹیلے ہوں پس ان پر واجب ہے کہ ان برفانی ٹیلوں سے جس طرح ہو سکے گزر کر جائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ چنانچہ ثوبانؓ کی روایت کے جو ابن ماجہ میں مروی ہے۔ یہ الفاظ ہیں فبایعوہ ولو حبوا علی الثلج فانہ خلیفۃ اللہ المھدی اور اسی واسطے یہ بھی ارشاد فرمایا لولم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطول اللہ ذلک الیوم حتی یبعث اللہ تعالیٰ فیہ رجلاً من امتی او من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امامؑ کی شان میں یہ ارشاد فرمایا کہ یختم اللہ بہ الدین کما فتح بنا یعنی اللہ تعالیٰ اس پر دین کو ختم کر دے گا جیسا کہ ہم سے اس کی ابتداء کی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کمال دین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو چکا پھر دوبارہ تکمیل دین اور اختتام دین کے کیا معنی

اس کا جواب یہ ہے کہ اکملت لکم دینکم سے یہ مراد ہے کہ ضروریات دین کے متعلق جو امور ہیں قرآن مجید نے ان کی تکمیل کر دی اس طرح سے کہ قرآن مجید کے نزول کے بعد کسی حکم کے نزول کی ضرورت نہیں رہی پس دین اسلام تنزیل کے اعتبار سے کامل ہو چکا اس صورت میں دین کا اختتام جو مہدی علیہ السلام کی دعوت کے بعد ہوگا باعتبار بیان احکام احسان ہوگا اور اسی طرح ہوا بھی ہے۔ غرض کمال دین باعتبار تنزیل ہے اور اختتام دین باعتبار دعوت احسان ہے پس کمال دین واختتام دین میں لزوم نہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وما علی الرسول الا البلاغ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب یہی ہے کہ آپ پر جو کچھ اترے امت کو پہنچا دیں۔ اس صورت میں یہ کس طرح یقین کیا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام احسان کو چھپا رکھا تھا اور مہدی علیہ السلام نے ان کو بیان فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تبلیغ کے دو قسم ہیں۔

ایک۔ وہ تبلیغ ہے جو بذریعہ دعوت نہ ہو۔

دوسری۔ وہ تبلیغ ہے جو بذریعہ دعوت ہو۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان واسلام کے احکام کی تبلیغ دعوت کے طور پر کی ہے اور احکام احسان کی تبلیغ بر سبیل دعوت نہیں فرمائی بلکہ جس میں ان احکام کی قبول کی لیاقت دیکھی اس کو ان احکام کی تعلیم کر دی غرض تبلیغ دین جس طرح بطور دعوت ہو سکتی ہے اسی طرح بغیر دعوت بھی ممکن ہے۔ پس امام کے خاتم دین ہونے سے یہ لازم نہیں آ سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعضے احکام کی تبلیغ نہیں کی تھی۔ اور یہ بات بھی لائق اظہار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

پورے قرآن شریف کی تبلیغ وتعلیم نہیں فرمائی۔ بلکہ جن چیزوں کی بتقاضائے وقت ضرورت تھی ان کی تعلیم فرمائی اور جن کی ضرورت آپ کو محسوس نہ ہوئی ان کی تعلیم نہیں کی۔ چنانچہ ان میں سے بعضے چیزیں یہ ہیں۔

اول۔ مقطعات قرانیہ مثلاً۔ الم - طسم - کھیعص۔ کی معانی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتائے۔

دوم۔ صفات باری تعالیٰ مثلاً سمیع۔ بصیر۔ کلیم کے معانی جو صفات حقیقیہ میں داخل ہیں نہیں بیان فرمائے۔

سوم۔ ان صفات الٰہی کے بیان حقائق کی طرف بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ نہیں کی جو باعتبار اسمی خالق ومخلوق میں مشترک معلوم ہوتے ہیں مثلاً لفظ وجہ۔ ید۔ قدم۔ وغیرہ۔

چہارم۔ قرآن شریف میں ہر جگہ قیامت کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بیان نہیں فرمایا۔ بلکہ جب آپ سے قیامت کا وقت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا المسئول عنھا باعلم من السائل یعنی جواب دینے والا سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔

پنجم۔ امور معاد مثلاً نامۂ اعمال، وزن اعمال۔ میزان وغیرہ امور کی پوری تفصیل اس طرح کی جو بالکل صاف ہو جائے نہیں کی اس واسطے ان چیزوں کے اعتقاد میں یہ فیصلہ ہوا کہ نومن بحقایقھا ولانشتغل بکیفیاتھا یعنی ان چیزوں کے حقائق پر ایمان لانا فرض ہے ان کیفیتوں اور مباحث میں مشتغل نہ ہونا چاہئے۔

ششم۔ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبر وقدر کی آیتوں کی تطبیق نہیں فرمائی اور ان کے صاف وصریح معانی نہیں بیان کئے۔ بلکہ بعضے احادیث صحیحہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان اصحاب کرام کو جو جبر وقدر میں گفتگو فرماتے تھے منع فرمایا تھا۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ کا تصفیہ اب تک نہیں ہو سکا اور نہ یہ ممکن ہے کہ اس کا تصفیہ آئندہ ہو جائے بڑے بڑے علماء مثلاً فخر رازی۔ آمدی۔ غزالی وغیرہ اس مسئلہ کی پیچیدگیوں میں الجھے ہوئے رہ گئے اور کسی مجتہد یا محقق

نے ان پیچیدگیوں کو سلجھا نہ سکا۔

ہفتم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیتوں کی تشریح نہیں فرمائی جو وحدۃ الوجود کو ثابت کرتی ہیں چنانچہ آیت **ھو الاول والاخر والظاھر والباطن** (الحدید:۳) اور آیت **وفی انفسکم افلا تبصرون** (الذاریات:۲۱) اور آیت **اینما تولوا فثم وجہ اللہ** (البقرہ:۱۱۵) اور آیت **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** (ق:۱۶) اور آیت **وھو معکم اینما کنتم** (الحدید:۴) اور آیت **ومارمیت اذرمیت ولاکن اللہ رمی** (الانفال:۱۷) اور آیت **ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم** (الفتح:۱۰) وغیرہ کے صاف وصریح معانی نہیں بیان کئے اور اگر بعضے حدیثیں اسی مضمون کو ثابت کرتی ہیں تو وہ خبر واحد ہیں ان سے ظن کا فائدہ ہوتا ہے پس وہ ظنی ہیں اس صورت میں ان میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ حدیثیں ان آیات مبہمہ کا بیان ہوسکیں جو ذکر کی گئیں اور نیز جب ائمہ مجتہدین اور جملہ مفسرین نے ان آیتوں کو متشابہات میں داخل کیا ہے تو ان کا وہی حکم ہوگا جو مقطعات قرآنیہ کا ہے پس جیسا کہ مقطعات قرآنیہ کی دریافت سے عقل عاجز ہے اسی طرح آیات صفات اور ان آیات کے حقائق کی دریافت سے بھی عقل عاجز ہے۔

خلاصہ یہ کہ مقطعات قرآنیہ اور آیات صفات اور یہ آیتیں متشابہات ہیں نہ ان کی تاویل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور حصر کی ہے اور نہ عقل ان کے معانی بیان کرسکتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ان کی حقیقت جانتا ہے۔ **ومایعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ** (آل عمران:۷) یعنے قول متشابہ کی تاویل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جن لوگوں کا علم راسخ یعنی یقینی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے متشابہ آیات قرآن کی تصدیق کی ہے یعنی وہ بھی تاویل نہیں کرسکتے۔ کیونکہ وہ خود جانتے ہیں کہ بعضے الفاظ ایسے ہیں کہ ان کے معانی لغت اور محاورہ عرب سے معلوم ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ونص ومفسر ومحکم وغیرہ کی یہی حالت ہے جب عقل ان کے معانی دریافت کرسکتی ہے تو ان کے معانی کرتے اور کہتے ہیں اور جن آیتوں کے معانی لغت اور عرب کے استعمال سے معلوم نہیں ہوسکتے اور نہ عقل ان کے پیچیدگیوں کو کھول سکتی ہے ان کے معانی

نہیں کرتے بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ ہم نے ان آیتوں کی تصدیق کی اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حق ہیں۔ واضح ہو کہ بعض قاریوں نے آیت مذکورہ میں کلمہ **الا اللہ** پر وقف نہیں کیا ہے بلکہ **والراسخون** کے ساتھ ملا کر پڑھا کرتے ہیں تو اس صورت میں یہ معنے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اور راسخون فی العلم متشابہ کی تاویل جانتے ہیں مگر اس قرات کے رو سے جملہ **قالوا آمنا** معترضہ ہونے کے علاوہ مفید معنے نہیں ہوسکتا کیونکہ اس آیت کے معنے یہ ہوجائیں گے کہ متشابہ کی تاویل اللہ اور راسخون فی العلم کے سوائے کوئی نہیں جانتا کہتے ہیں کہ اس پر ہم نے ایمان لایا اور اس کی ہم نے تصدیق کی اس صورت میں **قالوا** کا کوئی فاعل معین نہیں ہوسکتا کیونکہ **راسخون فی العلم** تو اس قرات کے نظر کرتے تاویل متشابہ کرسکتے ہیں تو **قالوا آمنا** کن لوگوں کا مقولہ ہوگا۔ اگر اس کے قائل **راسخون فی العلم** ہی سمجھے جائیں اور یہ کہا جائے کہ **راسخون فی العلم** ہی کلمہ **قالوا** کے فاعل ہیں تو اس میں رکاکت ہوجاتی ہے کیونکہ ایمان لانا اور قرآن مجید کی تصدیق کرنا ہر مسلمان کا کام ہے اور ہر مسلمان کا فرض ہے۔ پس اگر **راسخون فی العلم** نے معانی قرآن کو سمجھنے کے بعد یہ کہا کہ ہم نے اس کی تصدیق کی تو کیا کمال کیا کیونکہ ادنیٰ جاہل مومن کی بھی یہی شان ہے بلکہ ہر بندہ مومن کا یہی فرض ہے کہ وہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت اور ہر ایک کلمہ پر ایمان لائے اور اگر یہی بات تسلیم کی جائے کہ **راسخون فی العلم** معانی قرآن سمجھنے کے بعد **آمنا** کہتے ہیں تو اس میں ایک احتمال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ **راسخون فی العلم** معانی قرآن کے سمجھنے کے پہلے **آمنا** نہیں کہتے تھے اور سمجھنے کے بعد **آمنا** کہتے ہیں اس صورت میں یہ کہنا درست ہوگا کہ **راسخون فی العلم** معانی قرآن کے سمجھنے کے پہلے متشابہ آیتوں کے قرآن ہونے میں متردد تھے حالانکہ مومن جاہل بھی ان کے قرآن ہونے میں تردد نہیں کرتا اور فوراً **آمنا** کہہ دیتا ہے۔ اس صورت میں ادنیٰ مومن جاہل کی فضیلت اس شخص پر ہوجائے گی جو **راسخ فی العلم** ہے اور یہ بات باطل ہے غرض اس قرات کے اختیار کرنے میں ضعف ورکاکت معنی ہے۔ لہٰذا وہی قرات مشہورہ جس کو اکثر قاریوں نے اختیار کیا اور جو صحیح معانی اور بلیغ مفہوم پیدا کرتی ہے جمہور علماء کی اختیار کی ہوئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف اللہ ہی متشابہ آیتوں کی تاویل جانتا ہے اور راسخون فی العلم **آمنا** کہہ دیا کرتے

ہیں کیونکہ انہیں ان آیتوں کی تاویل معلوم نہیں اور نہ وہ ایسے کاموں کی طرف توجہ کرتے ہیں جن کا حصول محال ہے۔ اور چونکہ ان کی عقلیں متشابہات کے معانی کی دریافت سے قاصر ہیں لہذا صرف یہ کہدینا کافی سمجھتے ہیں کہ ہم نے یہ تصدیق کی کہ یہ متشابہات قرآن ہیں اور ان کے جو کچھ معانی اللہ جل شانہ کے علم ازلی میں ہیں وہی حق ہیں۔ غرض متشابہہ کی تاویل کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے پہلے یہ فرمایا ہے **فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ و ابتغاء تاویلہ** (آل عمران: ۷) جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ آیتوں کی پیروی کرتے ہیں اس خیال سے کہ لوگوں میں فتنے مچائیں اور تاویلیں ڈھونڈتے رہیں اور اپنے من گھڑت معنے بیان کر کے لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے اور اسلام میں بدعتیں پیدا کرتے اور خود گمراہ ہوتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ متشابہ آیتوں کی تاویل جائز نہیں ہے۔ مگر عالم کو چاہئے کہ ایسی آیتوں کے معانی اس طور پر کرے کہ یہ آیتیں محکم آیتوں کے مطابق ہو جائیں اور یہ مذہب متاخرین علماء کا ہے اور جمہور متقدین نے اس طرح کی تاویل سے بھی پرہیز کیا ہے اور ان آیتوں میں توقف کرنا اور چپ چاپ رہنا ہی پسند فرمایا ہے کیونکہ جن چیزوں کی تفسیر و تاویل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی اور قرآن مجید بھی ان کی تاویل کا مانع ہے تو پھر تاویل کی ضرورت باقی نہ رہی۔

اب ہماری تقریر کا حاصل یہی ہے کہ قرآن مجید کی کلمات اور آیتیں کئی قسم کی ہیں۔

اول یہ کہ بعضے ایسے کلمات ہیں کہ عقل انسان ان کے معانی دریافت کرنے سے قاصر ہے جیسا کہ مقطعات قرآنیہ۔

دوم یہ کہ بعضے ایسی آیتیں ہیں کہ عقل ان پر غور کر سکتی ہے مگر خود قرآن نے ان کی تاویل کی ممانعت کی ہے مثلاً عام متشابہات کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہی لوگ تاویل کی جستجو کرتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہے چنانچہ **فاما الذین فی قلوبھم** الخ سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

سوم یہ کہ بعضے آیتیں ایسی ہیں کہ ان میں عقل انسانی غور کر سکتی اور شرع و قرآن نے ان کی تاویل کی ممانعت بھی نہیں کی ہے مگر وہ ایسے معانی ہیں کہ عقل انسانی کو ان آیتوں میں غور کرنے کے

بعد کامیابی نہیں ہو سکتی ہے بلکہ متحیر و مدہوش ہی رہتی ہے جیسا کہ دیدار خدا کی نسبت جو آیتیں ہیں ان کی یہی کیفیت ہے اسی واسطے احکام دیدار کے متعلق صریح احادیث صحیحہ مروی نہیں ہیں اگرچہ کچھ حدیثیں صوفیہ کی کتابوں میں مروی ہیں مگر محدثین کو ان کے راویوں میں کلام ہے۔ بلکہ ان کے راویوں پر قسم قسم کے طعن کئے ہیں پس یہ روایتیں محدثین کے پاس صحیح نہیں ہیں۔

چہارم۔ یہ کہ بعضے آیتیں ایسی ہیں کہ عقل ان کے معانی عمدہ طور پر سمجھ سکتی ہے اور ان کے توضیح و تفسیر میں کوئی مانع شرعی بھی موجود نہیں ہے جیسا کہ وہ آیات جو تعلیم اسلام و ایمان میں اتری ہیں ان سب کی یہی حالت ہے کہ ان کے مضامین کو عقل پا سکتی ہے اور ان کی توضیح و تاویل میں کوئی مانع شرعی نہیں ہے۔ پس ان آیتوں کی تفسیر و تاویل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی چنانچہ ہزاروں حدیثیں اور سینکڑوں کتابیں ان ہی دو چیزوں کے احکام میں موجود ہیں۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے کہ شرع جدید کی دعوت کی تھی اور اسلام کا زمانہ بہت ہی جدید تھا۔ ایسے امور کی ان کو تعلیم دی جن کو وہ سمجھ سکتے تھے اور وہ خاص احکام ایمان و اسلام کی تعلیم تھی پس چونکہ یہ جملہ احکام بہت صاف اور صریح تھے لوگوں کے سمجھانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ کے لوگوں کی قابلیت سے عمدہ طور پر واقف تھے لہذا وہی چیزیں بیان فرماتے تھے جن کے سیکھنے اور سمجھنے کا ان کے برگزیدہ دلوں میں بے انتہا شوق تھا اور چونکہ دین بھی نیا تھا اور اسلام و ایمان کے اعمال میں قسم قسم کی سختیاں تھیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں کی دعوت پر کفایت فرمائی۔

چنانچہ حکیم ابن رشد اندلسی نے جو اپنے ملک میں قاضی القضاۃ تھے رسالہ کشف المقال بھی لکھا ہے۔ **ولذلک قال علیہ السلام انا معشر الانبیاء امرنا ان ننزل الناس منازلھم وان نخاطبھم علی قدر عقولھم** یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم پیغمبروں کے گروہ لوگوں کو ان کے مرتبوں پر رکھتے ہیں اور ان سے ان کے عقول کے موافق بات چیت کرتے ہیں۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے طور پر احکام احسان کی تعلیم نہیں فرمائی بلکہ احادیث صحیحہ میں ایسا فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک امام پیدا ہوگا اور میری اہل بیت سے ہوگا اور اس

کے ماں باپ میرے ماں باپ کے ہم نام ہوں گے اور وہ خلیفۃ اللہ اور خاتم دین ہوگا اور چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور خاتم دین ہے اس کے ہاتھ پر بیعت فرض ہے۔ چنانچہ ان احادیث سے جو سابق میں ذکر کئے گئے ہیں۔ یہ امر ظاہر ہے۔

غرض ہمارے اس تفصیلی بیان سے معلوم ہوا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ہر ایک آیت کریمہ کا بیان عام طور پر نہیں فرمایا اور چونکہ احکام احسان بھی نہایت نازک اور دقیق اور نہایت پیچیدہ تھے عام افراد انسانی پر دعوت نہیں فرمائی اور چونکہ احکام احسان کی تعلیم بھی اس وجہ سے کہ ان کا ماخذ بھی آیات قرآنی ہیں نہایت ضروری تھی کیونکہ بغیر اس تبلیغ و تعلیم کے بیان تعلیم قرآن پورا نہیں ہوسکتا تھا اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو امام موعود علیہ السلام کی اتباع کی طرف توجہ دلائی اس وجہ سے کہ معنی حدیث یختم الله به الدین کا پورا ہو جائے۔

خلاصہ یہ کہ بیان احکام احسان کے لئے امام مہدی موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا تشریف لانا اشد ضروری ہے۔ اب ہم اس تقریر کو یہاں ختم کرتے ہیں اور دوسرا باب شروع کرتے ہیں۔

باب دوم (سہ فصلی)

ضرورت وثبوت مہدی علیہ السلام کے بیان میں

فصل اول

انسان کامل ومکمل کے بیان میں

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سب نفوس انسانی کی حقیقت ایک ہی ہے یا ہر ایک نفس انسانی کی حقیقت جدا جدا ہے۔ ارسطو اور اس کے مقلدوں کا یہ مذہب ہے کہ سارے نفوس انسانی کی حقیقت ایک ہے ہر ایک نفس دوسرے نفس سے اس وجہ سے ممتاز ہے کہ ہر ایک نفس کے صفات و ملکات دوسرے نفس کے صفات و ملکات سے جدا ہیں۔ مثلاً ذکاوت عقل، سرعت حدس، قوت حافظہ، متخیلہ حکمت، عدالت، عفت، شجاعت وغیرہ۔ پس بعضوں میں یہ صفات و ملکات پائے جاتے ہیں اور بعضوں میں انکے اضداد پائے جاتے ہیں۔ افراد انسانی پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان صفات و ملکات میں کمی وبیشی ہوا کرتی ہے یعنے بعض لوگ بہت ہی ذکی ہوتے ہیں اور باریک سے باریک کلی مسئلوں کو ان کی عقل دریافت کرلیتی ہے اور ان کی پیچیدگیوں کو آسان کردیتی ہے اور بعض ایسے غبی ہوتے ہیں کہ وہ آسان سے آسان مسئلہ کو دریافت نہیں کرسکتے اور نہ ان کو بعد غور و فکر بھی کوئی کامیاب ہوسکتی ہے۔ اسی طرح بعضوں کی قوت حدسیہ اس درجہ قوی ہوتی ہے کہ اکثر علمی حزئیات پر ان کو ذرا سے غور و فکر بلکہ اول نظر میں اطلاع ہو جاتی ہے چنانچہ شیخ الرئیس ابوعلی ابن سینا کی یہی حالت تھی کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلوں کو پہلی نظر میں حل کردیتا تھا۔ اکثر علوم یعنے طبعیات، ریاضیات، طب وغیرہ۔ اس نے بلا کسی مشقت و محنت حاصل کئے تھے۔ چنانچہ خود شیخ الرئیس نے کتاب الحکمۃ العلائیہ میں ذکر کیا ہے اور اس طرح بعضوں کی قوت متخیلہ اس درجہ بڑھی

ہوتی ہے کہ ان کی قوت خیالی میں جو بات آتی ہے سچی ہی ہوتی ہے ان کے خواب بھی ایسے صحیح ہوتے ہیں جیسا کہ کوئی کسی واقعہ کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر بیان کر رہا ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ اسی قوت کے کمال سے پیغمبروں کو چھپی ہوئی چیزیں معلوم ہوتی تھیں جن کی دریافت سے متوسط درجہ کی انسانی عقلیں عاجز رہتی ہیں۔ اور یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اسی قوت کے کامل ہونے کے بعد عقلی صورتیں جن سے فرشتے مراد ہیں ان کے سامنے صورت انسانی میں نظر آتے ہیں اور پیغمبروں سے بات چیت کرتے ہیں پس پیغمبر پر اسی قوت کے ذریعہ سے وحی ہوتی ہے۔ چنانچہ معلم ثانی ابونصر فارابی اور حکیم ابن رشد اندلسی اور شیخ الرئیس ابوعلی ابن سینا اور حکیم مسکویہ کا یہی مذہب ہے بلکہ حضرت مولانا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ اور شیخ الاشراق شہاب الدین موید بالملکوت نے بھی اسی مذہب کو اختیار کیا ہے۔ اسی طرح بعضوں کی قوت حافظہ بھی غیر معمولی ہوتی ہے چنانچہ اکثر محدثین اور ائمہ حدیث وفقہ کی یہی حالت تھی۔ سنا جاتا ہے کہ حضرت بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور سیدنا امام محمد ابن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کی قوت حافظہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کی تھی کسی بڑی کتاب کا ایک مرتبہ دیکھ لینا ان کے یادداشت کے لئے کافی ہو جاتا تھا اور ایک زمانہ تک پھر اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ میرے حقیقی دادا جن کا نام سید اشرف تھا علوم نقلیہ وعقلیہ میں بڑے فاضل تھے ان کا حافظہ بھی قابل تعجب تھا۔ علوم نقلیہ وعقلیہ کے اکثر متون بلا مشقت ان کو یاد ہو گئے تھے۔ درسی کتابیں اکثر حفظ تھیں۔ میرے بڑے بھائی مولانا مولوی سید محمود صاحب قبلہ رحمہ اللہ نے مجھ سے یہ حکایت نقل فرمائی ہے کہ ایک مرتبہ فاضل مرحوم کا ان کے ہمعصر دوستوں نے امتحان لیا تھا اس امتحان کا یہ قصہ ہے کہ ایک وقت حضرت مرحوم اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے اور حاضرین سے گفتگو کر رہے تھے کہ یکایک ایک شخص تلنگی زبان میں اشعار پڑھتا ہوا سامنے سے گزرا۔ حاضرین نے دل میں خیال کیا کہ سید اشرف کے قوت حافظہ کے امتحان کے لئے یہ موقع اچھا ہے پس فوراً کہا کہ آپ ان اشعار کی طرف توجہ رکھئے کہ ہم ان اشعار کا اعادہ آپ سے کرائیں گے آپ نے فرمایا مناسب ہے آپ نے ان اشعار کی طرف توجہ کی اس نے سات بیتیں پڑھیں اور اس کے بعد موقوف کر دیں۔ حاضرین نے آپ سے درخواست کی کہ ان اشعار کا اعادہ کر دیا

جائے۔ آپ نے پورے سات بیتیں اعادہ کر دیں جن میں ایک حرف کا تفاوت نہ تھا اور طرفہ یہ بات تھی کہ آپ تلنگی زبان سے بالکل ناواقف تھے حاضرین کو سخت حیرت ہوئی اور تعجب سے منہ تکتے رہ گئے۔ بعضے لوگوں کی عدالت کی قوت سب سے بڑھی ہوتی ہے چنانچہ یہ بات مشہور ہے کہ نوشیروان عادل میں یہ قوت ایک اعلیٰ پیمانہ پر تھی اور مسلمانوں میں حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عدالت کی صفت سے ایسے مشہور ہیں کہ آپ کی نظیر نہیں مل سکتی ہے اور نیز صفت عفت سے حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایسے موصوف تھے کہ آپ کا کوئی سہیم وعدیل نہیں ہے۔ اسی طرح صفت شجاعت میں حضرت سیدنا علی ابن طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خالد ابن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے آپ نظیر تھے۔ مگر بعضے لوگ اس کے خلاف نظر آتے ہیں اور مذکورہ صفتوں میں بہت ہی ناقص بلکہ اقص ہوتے ہیں اور بعضوں میں یہ صفتیں متوسط درجہ کی پائی جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ سب انسانوں میں یہ صفتیں یکساں نہیں ہوتیں بلکہ بعضوں میں صفتیں اکمل ہوتی ہیں اور بعضوں میں کامل اور بعضوں میں ناقص۔ اس صورت میں افراد انسانی کو ان ہی صفات کی کمی وبیشی سے امتیاز ہوگا۔ اور بعضوں کا یہ مذہب ہے کہ نفوس انسانی جدا جدا حقیقت رکھتے ہیں مثلاً نفس زید کی حقیقت نفس عمرو کی حقیقت سے جدا ہے اور ان کے صفات بھی ان کی حقیقت کے تابع ہیں پس جس کا نفس اعلیٰ ہوگا اس کے صفات بھی اعلیٰ ہوں گے اور جس کا نفس ادنیٰ ہوگا اس کے صفات بھی ادنیٰ ہونگے غرض ہر ایک شخص کے نفس کی حقیقت دوسرے شخص کے نفس سے جدا ہے اور اگر ایسا نہ ہوگا تو لازم آئے گا کہ نفس کافر اور نفس نبی ایک ہی ہے معاذ اللہ یہ مذہب امام فخر الدین رازی اور بعضے متکلمین کا ہے۔

حاصل اس تقریر کا یہی ہے کہ نفوس انسانی میں بعضے نفوس ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی صفائی جوہر سب نفوس سے زیادہ ہوتی اور ان کے صفات نفسانیہ بھی بہت ہی قوی ہوتی ہیں اور ان کے اعمال وافعال میں بھی اعتدال ہوتا ہے اس صفات کے نفوس ان نفوس سے اعلیٰ ہوں گے جن کی قوت عقلیہ ناقص ہے۔ یا وہ قوائے شہویہ وغضبیہ کی مقہور ہے اس صورت میں اس کے کسی فعل میں اعتدال نہ رہے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن کی قوت عقلیہ وعملیہ کامل ہے ان کو ان لوگوں پر ترجیح ہوگی جن کی قوت نظریہ وقوت عملیہ کامل نہیں ہے پس یہی لوگ سب انسانوں میں اعلیٰ ہیں ان کے دل اس قابل ہیں کہ تجلیات الٰہی سے منور ہوجائیں اور عام انسانوں کی ہدایت و ارشاد کے لئے ان کا انتخاب کیا جائے۔

اس تقریر کا حاصل یہ ہے کہ انسان کامل وہی شخص ہے جس کی قوت نظریہ اور قوت عملیہ کامل ہو۔ اب اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ قوت نظریہ کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت حاصل ہو اور قوت عملیہ کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں سرگرم رہے اور اس کے ادا میں اس سے خطا نہ ہو۔ اور عام افراد انسانی اس کی طرز معاشرت سے خوش رہتے ہوں امور تمدنی کے استعمال میں اس سے کسی کا نقصان نہ ہو۔ اس کی عام رائے اس کا عام عمل حکمت سے خالی نہ ہو غرض اس کی قوت نظریہ اور عملیہ کا خطا سے محفوظ رہنا واجب ہے۔ پس اس صفت کا شخص سب انسانوں میں برتر اور پیشوا ہوگا اور یہی شخص اللہ تعالیٰ کے بندوں میں خلافت الٰہی کا مستحق ہوگا۔ اگر ایسا شخص دوسرے لوگوں کی تکمیل کا منجانب اللہ دعویٰ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اس کی تصدیق فرض ہوگی۔

تبصرہ

امامنا حضرت سید محمد مہدی موعود علیہ السلام کے تاریخی حالات کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے حضرت امام علیہ السلام بچپن کے زمانہ سے ایسے صفات واخلاق سے موصوف تھے جن کا اجتماعی طور پر پایا جانا ان ہی نفوس مقدسہ میں ہوتا ہے جنھوں نے منجانب اللہ دعوت نبوت کی ہے۔ امام علیہ السلام بچپن میں بھی شریعت نبوی کی اس طرح اتباع کرتے تھے کہ آپ سے کوئی قول وکوئی فعل اتباع شریعت نبوی کے برخلاف صادر نہ ہوتا تھا۔ آپ بالکل سچے اور وعدے کے پکّے تھے غریبوں کی غمخواری اور ناداروں کی مددگاری آپ کا فرض منصبی تھا آپ بڑے سخی وامین تھے۔ عبادت و ریاضت میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔ آپ کے ہر فعل میں اعلیٰ درجہ کا اتقا تھا۔ بڑے دلیر وجوانمرد تھے چنانچہ راجہ دلپت کی لڑائی میں آپ کے جوہر شجاعت جونمایاں ہوئے تھے اس سے آپ کی دلیری کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ آپ کی گفتگو میں نہایت ملایمت تھی آپ کی ذکاوت و ذہانت اعلیٰ درجہ کی تھی جب شیخ دانیالؒ جونپوری کے مدرسہ میں آپ تشریف لے جاتے تھے آپ کے خداداد نکتہ سنجیوں سے سامعین حیران ہوجاتے تھے آپ کی پرزور تقریر کا شہرہ دور دور کے شہروں میں پہنچ چکا تھا۔ مشکل سے مشکل مسئلے آپ کی سرسری توجہ سے حل ہوجاتے تھے بڑے بڑے علماء آپ کی تقریر کے مشتاق ہوکر شیخ کے مدرسہ میں حاضر ہوتے اور آپ کی مجتہدانہ تقریروں کو سن کر سخت متعجب ہوتے تھے۔ جب آپ پورے بارہ برس کے ہوگئے تو شیخ نے ایک عام مجلس کی اور اس میں نامور و محقق علماء طلب کئے آپ نے ان کے روبرو مسائل علمی میں ایسی محققانہ تقریر کی کہ علماء حاضرین اس کے سننے سے دنگ ہوگئے اور آپ کو اسد العلماء کا خطاب دیا۔

غرض آپ کمال علمیہ وکمال قوت نظریہ سے موصوف تھے اس کے بعد آپ کی پوری توجہ عبادت وریاضت کی طرف مصروف ہوگئی اس زمانہ میں آپ کو کمال استغراق رہتا تھا۔ تجلیات ذاتی وصفاتی میں مستغرق رہتے تھے۔ باوجود اس استغراق کے ادائے شرایع وفرائض میں آپ کی

کامل توجہ رہتی تھی۔ تا آنکہ کوئی مستحب بھی آپ سے ترک نہ ہوتا تھا۔ اس استغراقی زمانہ میں اگرچہ غذا بہت ہی کم تھی تاہم چونکہ منجانب اللہ آپ کو غذا روحانی ملتی تھی۔ آپ کا ہر فعل کمال اعتدال پر تھا اس زمانہ میں آپ سے بہت سے خوارق صادر ہوئے ہیں۔ جن کی تفصیل ہمارے سیر کی کتابوں میں کی گئی ہے۔ آپ کی گفتگو میں ایسی روحانی طاقت تھی کہ سلاطین وقت کے دل بھی آپ کی زور تقریر سے ہل جاتے تھے۔ آپ کی فیض صحبت سے اکثر فاسق و بدکار زمرۂ اخیار میں داخل ہو جاتے تھے۔ اگر آپ سے کوئی شخص مصافحہ کرتا تھا تو کئی ہفتوں تک اس کے ہاتھوں سے عطر کی مہک آتی تھی۔ اس زمانہ میں آپ کو آپ کے سچے الہامات سے معلوم ہو چکا تھا کہ آپ ہی مہدی موعود علیہ السلام ہیں۔

آپ کے ان روحانی کمالات کا شہرہ اکثر ممالک میں پہنچ گیا تھا تا آنکہ عطاء اللہ اصفہانی اصفہان میں آپ کے ان کمالات کو سنکر اصفہان سے ہندوستان کو اس اشتیاق میں آئے کہ میں امام مہدی علیہ السلام کی شرف ملاقات سے مشرف ہو جاؤں اس بیان میں انھوں نے ایک مثنوی لکھی ہے اور اس میں اپنے سفر کی یہی حالت بیان کی ہے۔ چونکہ یہ حالات سیر کی کتابوں میں لکھے جاتے ہیں اور اس کتاب کے موضوع سے جدا ہیں۔ ہذا ہم اس تقریر کو یہاں ختم کرتے ہیں۔

فصل دوم

دعوت مہدیت کے بیان میں

حدیث۔ کیف تھلک امتی انا فی اولھا وعیسیٰ فی آخرھا والمھدی من اھل بیتی فی وسطھا اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ رسول اللہؐ کے زمانہ کے بعد رفتہ رفتہ نفوس انسانی بدعتوں اور گمراہی کے جالوں میں پھنس جائیں گے اور دنیا کے تزئینات فانی پر دل و جان سے شیدا ہو جائیں گے دنیا کے سرکش حاکموں کے دل ظلم و ایذا رسانی کے خوگر ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ کے قہر و جبروت کا خیال دل سے مٹ جائے گا فسق و فجور کی امنگوں میں مست ہو جائیں گے ان کی سب کوششیں ان کی ہلاکت کا موجب ہو جائیں گی۔ ایسی حالت اور ایسے نازک وقت کے نظر کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ہلاکت سے بچانے کے لئے یہ خوشخبری دی ہے کہ مہدی علیہ السلام وسط امت میں پیدا ہو کر امت کو ہلاکت سے بچائیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام آخرین امت میں تشریف لائیں گے اور امت کو ہدایت کی راہ پر چلائیں گے۔ غرض گمراہی کا شیوع اور فسق و فجور کا وجود اللہ تعالیٰ کے خلیفوں کے پیدا ہونے کا موجب ہے اور اسی طرح زمانہ کے ہر دور میں انبیاء علیہم السلام بندگان خدا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں پس حدیث مذکورہ کے موافق مہدی علیہ السلام کے پیدا ہونے کے پہلے دنیا میں بری خصلتیں پھیل گئی تھیں ظلم و جور سے عالم لبریز ہو گیا تھا خدا اور اس کے رسول کی محبت سے لوگوں کے دل خالی ہو گئے تھے باطل مذہبوں میں ترقی ہو گئی تھی بدعتوں اور شرک کا بازار گرم تھا پیر پرستی خدا پرستی سے بڑھ گئی تھی۔ دنیا طلبی نے خدا اور رسول کی محبت کا دلوں سے اخراج کر دیا تھا۔ ایسے نازک وقت میں امام ما حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے حکم خدا سے اپنی مہدیت کے دعویٰ کا اعلان فرمایا اور ایمان کے بیج کو لوگوں کے دلوں میں بونا شروع کیا۔ جن لوگوں کے دلوں کو اللہ نے ایمان کی روشنی سے منور کیا تھا انھوں نے آپ کی ہدایت قبول کی اور آپ کی مہدیت پر ایمان لائے۔ آپ کے فیض صحبت نے ان کے دلوں

سے دنیا کی محبت مٹادی اور اس کی جگہ اللہ اور رسول کی محبت کو جگہ دیدی، فاسق نے اپنے فسق سے نفرت کی اور اس کی بری خصلتیں جاتی رہیں اور اس میں نیک خصلتیں پیدا ہوگئیں اللہ تعالےٰ کی توحید سے لوگوں کے دل مسرور ہوگئے اور سوائے ذکر خدا اور اس کی محبت کے انھیں کوئی کام نہ رہا پس حدیث شریف میں جو یہ بات بیان کی گئی ہے کہ مہدی لیہ اسلام زمین کو عدالت سے بھر دیں گے اس کے یہی معنے ہیں کہ مہدی علیہ السلام لوگوں کو ہدایت اور شرع حقیقی کی طرف بلائیں گے اور ایمان واحسان کے بھید ان کو بتائیں گے پس زمین کو ایمان سے بھر دینے کے یہی معنے ہیں۔ غرض حضرت امام علیہ السلام نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور اپنی ہدایت کا عام اعلان ساری دنیا میں فرمایا اور سلاطین وقت کے نام فرامین لکھے اور ان میں تبلیغ دعوت فرمائی اس عام ہدایت کے بعد جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق دی تھی وہی لوگ ایمان لائے اور باقی لوگ بحثوں میں رہ گئے۔ پس مہدی علیہ السلام نے ویسی ہی ہدایت کی جیسی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ یہ بات قرآن مجید سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی کام تھا کہ آپ لوگوں کو ایمان کا راستہ بتاتے تھے اور یہ کام آپ کا نہیں تھا کہ جبراً کسی کو مسلمان بناتے۔ پس مہدی علیہ السلام کا بھی یہی کام ہے کہ آپ ہدایت کا راستہ خلایق کو دکھادیں اور یہ کام نہیں ہے کہ جبراً کسی کو ہدایت پر لادیں۔ پس امام علیہ السلام نے ہدایت کی اشاعت اسی طرح کی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اشاعت فرماتے تھے۔ مگر علماء کی عقلوں پر چونکہ پردہ پڑھ گیا ہے وہ ان اسرار میں غور نہیں کرتے جن پر آیت **ولو شاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعا** (یونس:۹۹) اور آیت **ولو شئنا لآتینا کل نفس ھداھا** (السجدۃ:۱۳) اور آیت **ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ** (النحل:۹۳) دلالت کرتی ہیں اور انبیاء کی ان سچی خبروں میں غور نہیں کرتے جن کی نبوت کا انکی امتوں نے انکار کیا بلکہ ان کو اذیتیں دیں بالآخر ان کو قتل بھی کیا غرض پیغمبروں کے گزشتہ واقعات سے بالکل بے اعتنائی کی جاتی ہے اور علامات کی بحثوں میں الجھے ہوئے رہتے ہیں اور متضاد علامتیں پائے جانے کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی علیہ السلام کی شناخت میں جو ضروری علامتیں بیان فرمائی ہیں وہ سب آپ میں موجود تھیں مگر وہ علامتیں بیان جو متضاد ہیں اُن کا آپ میں پایا جانا قابل تسلیم نہیں ہے۔

فصل سوم

ثبوت علامات مہدی علیہ السلام کے بیان میں

پہلے باب کے فصول میں علامت مہدی علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے

اول: یہ کہ مہدی علیہ السلام اولاد فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے ہوں۔

دوم: یہ کہ مہدی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمنام ہوں گے اور مہدی علیہ السلام کی ماں اور باپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ہم نام ہوں گے۔ چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے جو سنن ابن ابی شیبہ اور طبرانی میں ہے یہی بات معلوم ہوتی ہے اور سنن ابن ابی داؤد میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

سوم: یہ کہ نعیم ابن حماد نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کعبۃ اللہ میں رکن ومقام کے درمیان لوگوں سے بیعت لیں گے۔

چہارم: یہ کہ روایت مشکوٰۃ شریف سے جو کہ رزین سے نقل کی گئی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے پہلے ہوگا۔

پنجم: یہ کہ امام مہدی علیہ السلام قسط وعدل سے زمین کو بھر دیں گے۔

ششم: یہ کہ امام علیہ السلام اخلاق وشمایل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں گے۔

جب حضرت امام مہدی موعود علیہ السلام کا ظہور ہوا تو آپ میں یہ سب علامتیں موجود تھیں۔ یعنے آپ اولاد امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں اور آپ کا نام محمدؐ اور آپ کے والد کا نام عبداللہ اور خطاب سید خاں تھا اور آپ کی والدہ کا نام آمنہ تھا آپ جب حج کو تشریف لے گئے تو

رکن ومقام کے درمیان آپ نے دعوت مہدیت کی اور روایت رزین کے موافق جو کہ مشکوۃ شریف میں موجود ہے نزول عیسیٰ علیہ السلام کے پہلے آپ کا ظہور ہوا اور تمام امت محمدیہ پر آپ نے اپنا دعویٰ مہدیت علانیہ اظہار فرمایا اور ہمعصر سلاطین کو یہ توجہ دلائی کہ اگر میں دعوے مہدیت میں سچا ثابت نہ ہوسکوں تو تم پر میرا قتل واجب ہے۔ پس علماء کو چاہئے کہ میری مہدیت کی تحقیق کریں اور یہ بھی فرمایا کہ میری مہدیت کی سچی دلیل یہی ہے کہ میں کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا متبع ہوں۔ میں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور کوئی شرع جدید نہیں لائی بلکہ اسی شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبین ہوں اور احکام ولایت محمدیہ کا جن سے احکام احسان مراد ہیں مستقل داعی ہوں۔ غرض اس مضمون کا عام اعلان فرمایا۔ جن لوگوں کو حق کی طلب تھی آپ کی تصدیق کی اور ایمان سے مشرف ہوئے پس یہی معنے املاء، قسط وعدل کے ہیں ورنہ حدیث یملاء الارض کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ساری دنیا میں عدل وانصاف پھیل جائے اور سب لوگ ایمان سے مشرف ہوجائیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب تک سارے افراد انسانی ایمان سے مشرف ہوئے نہ آئندہ ایمان لائیں گے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ کوشش کی کہ ابوطالب ایمان سے مشرف ہوجائیں اور انھوں نے قبول ایمان سے بے اعتنائی کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج ہوا اور کبیدہ خاطر ہوئے تو اللہ جل شانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین خاطر کے لئے یہ آیت اتاری انک لاتھدی من احببت یعنے اے محمدؐ تم جس سے محبت رکھتے ہو اس کو راہ پر لانا تمہارا کام نہیں ہے بلکہ یہ ہمارا کام ہے پس ہم جس کو ہدایت دینا چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اس کا ذکر سابق میں کیا گیا ہے۔

غرض انبیاء علیہم السلام اور مہدی علیہ السلام کا یہ منصب ہے کہ خدا کی راہ بتادیں اور یہ منصب نہیں ہے کہ لوگوں کو ہدایت پر لادیں کیونکہ یہ فعل اسی ذات بیچون وبے مثال کا ہے جو فرماتا ہے یضل من یشاء ویھدی من یشاء (النحل:۹۳) غرض جو لوگ حدیث یملاء الارض الخ کو پیش نظر رکھ کر یہ بیان کرتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں سب زمین پر عدل وانصاف

پھیل جائے گا اور سب لوگ مومن ہوجائیں گے بالکل نادانی وغلط خیالی ہے ہم نے اس کی تقریر پہلے بھی کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام مہدی موعود علیہ السلام نے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بصیرت و ہدایت کی طرف لوگوں کو بلایا اور اظہار معجزات سے بھی اس دعوت پر استدلال فرمایا مگر بمصداق آیت کریمہ وقلیلا ماتومنون (الحاقۃ:۴۱) وہی لوگ تصدیق مہدیت سے مشرف ہوئے جن کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ھدی للمتین الذی یومنون بالغیب (البقرہ:۳) اور جو اس صفت حقانی سے موصوف نہیں تھے علامتوں کی بحثوں میں الجھ گئے حق تو یہی ہے کہ علامات دراصل اشارات خفیہ ہیں ان کے حقیقی معانی ہرگز مراد نہیں ہیں اسی غلطی سے یہود نے عیسیٰؑ کا اور نصاریٰ و یہود نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔

باب سوم

اصول وفرائض کے بیان میں

فصل اول

ثبوت اصول وفرائض کے بیان مں

واضح ہو کہ امام مہدی موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے خلیفۃ اللہ ہونے کی وجہ سے چند احکام مومنین پر فرض گردانے ہیں جن کا بیان فصول آئندہ میں کیا جائے گا۔ اب اس جگہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جن احکام کو آپ نے فرض گردانا ہے ان کی فرضیت شرعی ہے یا نہیں۔

میرے نزدیک حق بات یہی ہے کہ ان کی فرضیت شرعی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ اصول دین چار ہیں۔

(۱) کتاب اللہ یعنے قرآن مجید (۳) اجماع

(۲) سنت رسول اللہ یعنی حدیث شریف (۴) قیاس

جب کسی حکم کا مثبت ان اصول سے کوئی اصل ہوگا تو وہ حکم شرعی ہو جائے گا مثلاً صحیح احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہوا ہے کہ بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد سے ایک شخص پیدا ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمنام ہوگا اور خلق وسیرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشابہ ہوگا۔ اس کے ماں باپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ کے ہمنام ہوں گے۔ خلیفۃ اللہ ہوگا۔ دنیا میں عدالت پھیلائے گا ظلم وجور کو مٹائے گا۔ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاکت سے بچائے گا۔ اس کا پیدا ہونا ضروری امر ہے تا آنکہ اگر ایام دنیا سے ایک دن بھی

باقی رہ جائے گا تو اس دن کو اللہ تعالیٰ دراز فرمائے گا کہ اس میں اس شخص موعود کا بعث ہو سکے۔ خاتم دین ہوگا۔ اس کے ہاتھ پر بیعت فرض ہے کیونکہ مہدی علیہ السلام داعی الی اللہ اور خلیفۃ اللہ ہے پس ان احادیث صحیحہ کی وجہ سے جن کا تواتر معنوی ثابت ہو چکا ہے تصدیق مہدی موعود علیہ السلام فرض شرعی ہے پس جب اس شرعی اصل کی وجہ سے آپ کی تصدیق فرض شرعی ہے تو جن امور کو آپ نے بحکم کتاب اللہ جو اصل اول ہے فرض گردانا ہے وہ کیونکر فرائض شرعی نہ ہوں گے۔ مثلاً حضرت امام علیہ السلام نے آیت یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین (التوبہ:۱۱۹) سے صحبت صادقین کو اور آیت الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھا جروا فیھا فاولئک ماواھم جھنم وساء ت مصیرا (النساء:۹۷) سے ہجرت کو اور آیت فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم (النساء:۱۰۳) سے ذکر دوام کو اور آیت من کان یرید الحیاۃ الدنیا و زینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لایخسون اولئک الذین لیس لھم فی الاخرۃ الاالنار (ہود:۱۵،۱۶) سے ترک دنیا کو اور آیت ومن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحاً ولایشرک بعبادۃ ربہ احدا (الکہف:۱۱۰) سے طلب دیدار خدا کو اور آیت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین (آل عمران:۱۵۹) سے توکل کو اور آیت وتبتل الیہ تبتیلا (المزمل:۸) سے عزلت خلق کو فرض گردانا ہے اور اسی طرح دوسرے فرائض کی بھی یہی حالت ہے کہ ان کا منشاء اور ماخذ بھی آیات قرآن مجید ہیں جب کہ یہ سارے امور قرآن مجید سے جو کہ اصول شرع کا اصل اول ہے ثابت ہوئے ہیں تو یہ سب فرائض شرعی ہوں گے پس جو شخص مہدی علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے اور فرائض مذکورہ کا انکار کرتا ہے ہمارے پاس وہ شخص مومن نہ ہوگا کیونکہ اگر وہ آپ کی تصدیق اس وجہ سے فرض جانتا ہے کہ آپ خلیفۃ اللہ اور مخبر صادق ہیں تو اس پر اسی وجہ سے کہ آپ خلیفۃ اللہ و مخبر صادق ہیں آپ کے احکام کی تصدیق فرض ہوگی ورنہ وہ شخص ان لوگوں کے حکم میں داخل ہوگا جن کی شان میں آیت نؤمن ببعض ونکفر ببعض (النساء:۱۵۰) اتری ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ احکام شرعی نہیں ہیں بلکہ یہ احکام ولایت سے متعلق ہیں اور امام علیہ السلام کے جہت ولایت سے ان احکام کی فرضیت کا حکم دیا ہے تو یہ سب فرائض ولایت ہوں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حکم شرعی وہی ہے جس کا اثبات کسی دلیل شرعی سے ہو جب فرائض ولایت کا اثبات کتاب اللہ وسنت رسول اللہ سے ہوا ہے اور مذکورہ آیات سے امام علیہ السلام نے ان کا فرض ہونا ثابت کیا ہے تو یہ سب فرائض فرائض شرعی ہوں گے۔ ان کو فرائض ولایت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ احکام تقرب ایزدی کے خاص اسباب ہیں اگرچہ دیگر فرائض شرعی بھی اسباب تقرب ہیں مگر ان کو اتنی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ ان کے اوقات معین ہیں اور ان اسباب تقرب کا وقت مدۃ العمر ہے۔ مثلاً ترک دنیا عزلت خلق، صحبت صادقین، توکل، طلب دیدار خدا وغیرہ۔ غرض یہ احکام اشتغال مع اللہ اور حصول فنائے تام کے جیسے اسباب ہیں دوسرے احکام نہیں ہیں۔ اور ان کو ولایت سے زیادہ تعلق ہے اسی واسطے فرائض ولایت کے نام سے مشہور ہیں۔ جب ان کی فرضیت آیات قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے تو ان احکام کا منکر آیات قرآنی واحادیث متواترہ کا منکر ہوگا اور جو شخص آیات قرآنی واحادیث متواترہ کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ پس ان احکام کا منکر بھی کافر ہوگا اور یہی حالت ان مسائل کی بھی ہے۔ بعضوں نے شرعی احکام سے وہ احکام مراد لیا ہے جو اعضاء وجوارح سے صادر ہوتے ہیں اور ولایت کے احکام سے یہ مراد لی ہے کہ وہ احکام افعال قلبی ہیں۔ اور ان کا مبدا قلب ہے تو ان دونوں احکام میں مغائرت ہوگی۔ راقم کہتا ہے کہ شرعی احکام کی تعریف جامع ومانع نہیں ہے کیونکہ نیت ونذر وتوبہ وعدم شرک وغیرہ احکام شرعی ہیں اور ان کا مبدا قلب ہے بلکہ اصل یہی ہے کہ جو حکم اصول مذکورہ سے ثابت ہو حکم شرعی ہے عام ازینکہ اس کا مبداء دل ہو یا اعضاء وجوارح خلاصہ یہ ہے کہ اگر احکام ولایت اصول شرع سے ثابت نہ ہوں گے تو ان پر ایمان لانا اور بطور وجوب ان پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ یہ سمجھنا ہوگا کہ احکام ولایت دل سے نکالی ہوئی اور من گھڑت چیزیں ہیں پس ان احکام پر عمل کرنا مشروع نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جن احکام کو مہدی موعود علیہ السلام نے فرض گردانا ہے آئمہ مجتہدین کے پاس وہ مستحب ہیں اور جب یہ احکام فرض سمجھے جائیں گے تو نسخ لازم آئے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مستحب چیز کے فرض کردینے سے نسخ لازم نہیں آتا کیونکہ نسخ اس دلیل شرعی سے ثابت ہوتا ہے جو پہلی دلیل کے حکم سے مخالف ہو اور یہ امور جن کو امام مہدی علیہ السلام نے فرض ٹھہرایا ہے کسی دلیل آخر سے نہیں ٹھہرایا ہے بلکہ ان ہی روایتوں سے ان احکام کی فرضیت ثابت کی

ہے جن سے ائمہ مجتہدین نے ان کا استحباب یا سنت ہونا بتایا ہے پس یہ تغیر نسخ نہیں ہے اور اس کی نظیریں فقہی مسائل میں بہت ہی موجود ہیں۔

چنانچہ وضوء میں حکم ہے کہ کُلّی کی جائے اور ناک میں پانی لیا جائے۔ مجتہدین کو ان دونوں کے حکم میں اختلاف ہے بعضوں نے ان دونوں کو سنت کہا ہے۔ چنانچہ امام اعظمؒ کا یہی مذہب ہے اور امام مالکؒ وامام شافعیؒ نے بھی اسی کو اختیار کی ہے اور بعضوں نے ان دونوں کو فرض کہا ہے چنانچہ ابن ابی لیلیٰ اور اصحاب داؤد رحمہ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے اور بعضوں نے بیان کیا ہے کہ استنشاق فرض ہے اور مضمضہ سنت ہے اور نیز دونوں ہاتھوں کے دھونے میں بھی اختلاف ہے۔ حنفیہ نے اس کو سنت کہا ہے اور مالک وشافعی کی بھی یہی رائے ہے اور امام مالکؒ کی ایک روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ مستحب ہے اور داؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کی یہ رائے ہے کہ واجب ہے بعضوں نے بیان کیا ہے کہ رات کو سونے کے بعد جو شخص نیند سے اٹھے اس کے لئے واجب ہے کہ اول دونوں ہاتھ دھولیوے اور اگر دن میں سو کر اٹھے اس پر واجب نہیں ہے اور یہی مذہب احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور اسی طرح ترتیب افعال وضو میں بھی اختلاف ہے بعضوں کا یہ مذہب ہے کہ ترتیب سنت ہے چنانچہ اصحاب مالکؒ کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہؒ وثوریؒ وداؤدؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ اور ایک قوم کا یہ مذہب ہے کہ ترتیب افعال وضو میں فرض ہے چنانچہ شافعیؒ واحمدؒ و ابوعبیدہؒ کی یہی رائے ہے۔ یہ سارا اختلاف فرائض وضوء کی ترتیب میں ہے۔ مگر وہ ترتیب بھی مختلف فیہ ہے جو افعال مسنونہ کی افعال مفروضہ کے ساتھ پائی جاتی ہے چنانچہ یہ ترتیب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سنت ہے اور امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس فرض ہے۔ موالات یعنے اعضاء وضوء کو پے در پے دھونے کی بھی یہی حالت ہے مالکؒ کہتے ہیں کہ موالات فرض ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سنت ہے۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ ایک ہی فعل بعضوں کے پاس مستحب ہے اور بعضوں کے پاس سنت اور بعضوں کے پاس واجب وفرض ہے اور یہ نسخ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ائمہ مجتہدین نے ان

احکام کو جن احادیث سے استنباط فرمایا ہے ان میں یہ بحث نہیں کی ہے کہ اس حکم میں فلاں مقدم ہے اور فلاں حدیث مؤخر ہے بلکہ ان کے ان مذکورہ اختلافات کی بنائیں ان کے اجتہادات ہیں۔ پس جائز ہے کہ احکام مذکورہ ائمہ مجتہدین کے پاس مستحب ہوں اور امام مہدی علیہ السلام نے ان کو فرض ٹھہرایا ہو۔ غرض جیسا کہ مسائل مذکورہ فقہیہ بعضوں کے پاس مستحب اور بعضوں کے پاس فرض ہونے سے نسخ لازم نہیں آتا ایسا ہی امور مذکورہ ائمہ مجتہدین کے پاس مستحب ہونے اور امام مہدی علیہ السلام کے پاس فرض ہونے سے نسخ لازم نہیں آسکتا۔ مگر اس میں شک نہیں ہے کہ امام مہدی موعود علیہ السلام کا حکم بہ نسبت احکام مجتہدین کے زیادہ تر لائق قبول ہے کیونکہ ائمہ خطا سے معصوم نہیں ہیں اور ان کے مسائل میں خطا کا احتمال ہے مگر امام مہدی موعود علیہ السلام کے احکام میں بالکل خطا کا احتمال نہیں ہے۔ کیونکہ آپ خلیفۃ اللہ اور مخبر صادق ہیں۔ جو آپ فرمائیں وہی حق ہے اور جس کو منع فرمائیں وہ باطل۔ اسی خلیفۃ اللہ اور داعی الی اللہ ہونے کی وجہ سے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فتوحات میں ذکر کیا ہے۔ فما یحکم المهدی الا بما یلقی الیه الملک من عند الله تعالیٰ الذی بعثه الله لیسدده وذلک هو الشرع الحنفی المحمدی الذی لو کان محمد صلی الله علیه و سلم حیا و رفعت الیه تلک النازلة لم یحکم فیها الا بحکم المهدی فعلم ان ذلک هو الشرع المحمدی فحرم علیه القیاس مع وجود النصوص التی منحه الله تعالیٰ ایاها ولذا قالؑ فی صفته یقفوا اثری ولا یخطی فعرفنا انه متبع لا مشرع۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام وہی حکم فرمائیں گے جو فرشتہ کے ذریعہ سے ان پر خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور وہ حکم جو مہدی علیہ السلام کریں گے وہی شرع حنفی محمدی ہے تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر زندہ ہوتے اور وہی مقدمہ آپ کی مبارک پیشگاہ میں پیش کیا جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی حکم فرماتے جو امام مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حکم مہدی علیہ السلام بعینہٖ شرع محمدیؐ ہے۔ پس جب اس طرح کے نصوص یعنے تعلیمات آپ کے پاس موجود ہیں جو اللہ تعالےٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں تو آپ کو جائز نہیں ہے کہ باوجود ان الٰہی تعلیمات کے آپ قیاس پر عمل فرمائیں اور اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی شان میں فرمایا ہے کہ

امام مہدی (علیہ السلام) میرے نشان قدم چلیں گے اور خطا نہ کریں گے۔ شیخ اکبر کے اس قول سے چند امور ثابت ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ امام مہدی علیہ السلام فرشتہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد حکم فرمائیں گے۔

دوم یہ کہ مہدی علیہ السلام جو حکم فرمائیں گے وہی حکم بعینہٖ شرع محمدیؐ ہوگا۔

سوم یہ کہ مہدی علیہ السلام پر قیاس حرام ہے۔

چہارم یہ کہ امام مہدی علیہ السلام خطا سے معصوم ہیں۔

پنجم یہ کہ آپ تابع رسول اللہ ہیں نبی مشرع نہیں ہیں۔

واضح ہو کہ شیخ اکبر نے یہاں جو کچھ فرمایا ہے وہ اپنے کشف اشراقی سے فرمایا ہے ان امور سے جو شیخ نے ذکر فرمایا ہے پہلے امر ہمارے مسلمات سے نہیں ہے کیونکہ مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ تعلیم پاتا ہوں اس کے یہ معنی ہیں کہ تعلیمی مقام میں مجھے کسی کا واسطہ نہیں ہے عام ازیں کہ فرشتہ ہو یا پیغمبر۔ اس کی توضیح میں نے اپنے اکثر رسالوں میں کی ہے غرض ہمارے پاس یہ ثابت ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کو خدا سے بلا واسطہ تعلیم ہوتی ہے۔ پس پہلا امر ہمارے مسلمات سے نہیں ہے باقی امور ہمارے مسلمات سے ہیں۔

فصل دوم

صحبت صادقین کے بیان میں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول (المائدۃ:۹۲) یعنے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اس حکم کی قرآن مجید میں متعدد جگہ تاکید فرمائی ہے۔ سب افراد انسان پر یہ اطاعت یکساں فرض ہے چنانچہ قرآن مجید کی تفسیروں میں اس کی تفصیلی بحث موجود ہے۔ اطاعت خدا اور رسول خدا سے اعلیٰ غرض یہ ہے کہ انسان اخلاق خدا سے موصوف ہو جائے اور تخلقوا باخلاق اللہ کا یہی منشاء ہے اس صورت میں انسان صفات نفسانی سے خالی ہو جائے گا اور بجائے ان رذیلہ صفات کے اس سے صفات رحمانی کے انوار دکھائی دیں گے اور بالآخر اس روحانی خط پر چلتا چلتا نقطۂ فنا تک پہنچ جائے گا اور ادنیٰ غرض یہ ہے کہ عذاب خدا سے نجات حاصل ہو۔ ہم اس جگہ پہلی غرض کے متعلق بحث کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ اخلاق الٰہی کا حصول بغیر اطاعت خدا اور رسول خدا محال ہے پس یہ کہنا ہوگا کہ کمال اطاعت خدا و رسول خدا تحصیل اخلاق الٰہی کی علت ہے۔ ہم نے اطاعت کو کمال سے مقید اس وجہ سے کیا ہے کہ کمال اطاعت میں خلوص توحید ہوتا ہے اور اس میں شرک کی آمیزش نہیں ہوتی اور جس میں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں یا ان میں سے ایک ہو اس میں خلق خدا نہیں ہوتا غرض اخلاق الٰہی کا حصول بغیر اطاعت خدا اور رسول اللہ صلعم نہیں ہو سکتا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلعم جن کو صحبت رسول اللہ صلعم کا افتخار تھا اخلاق الٰہی کے حاصل کرنے میں انھیں دشواری نہیں تھی کیونکہ ہر روز ہر گھڑی ان پر تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ مخفی امور منکشف ہوتے تھے جن کا انکشاف پچھلی امتوں پر نہیں ہوا تھا۔ مگر زمانہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اخلاق الٰہی کی تحصیل سخت دشوار معلوم ہوتی ہے اگرچہ شرعی نوامیس کی پابندی خلق خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلم کے تحصیل کی سبب ہو سکتی ہے مگر بغیر رہبر کے منزل مقصود پر پہنچ جانا مشکل ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اتقو اللہ وکونوا مع الصادقین (التوبہ:۱۱۹) یعنے اے مؤمنو تم خدا سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو اس کے یہ معنی ہیں کہ اے ایمان والو اگر تم کو صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات کی تحصیل کا موقع نہ ملے تو تم پر فرض ہے کہ صادقین کی صحبت اختیار کرو تا کہ ان کی بدولت اخلاق الٰہی تم میں پیدا ہو جائیں۔ غرض اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد فرض ہے کہ انسان صادقین کی صحبت میں رہا کرے اور ان کا قول اور ان کا فعل ان کا حال اختیار کرے اور کسی وقت ان کا ساتھ نہ چھوڑے۔ اس کے بعد امید ہے کہ رفتہ رفتہ صادقین کے اخلاق و آثار اس شخص کے اخلاق و احوال میں دکھائی دیں گے۔ بالآخر یہ بھی اخلاق الٰہی سے موصوف ہو جائے گا اور اخلاق الٰہی کے آثار و احوال اس سے بھی ظاہر ہوں گے۔ اور یہی صبغۃ اللہی جو قرآن مجید میں مذکور ہے صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ (البقرۃ:۱۳۸) پس جس میں اخلاق الٰہی پائے جائیں گے اس میں صبغۃ اللہ ہوگا غرض صبغۃ اللہ سے اخلاق الٰہی مراد ہیں پس صبغۃ اللہ یا اخلاق الٰہی سے موصوف ہونا اطاعت خدا و اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحبت صادقین پر موقوف ہے۔ پس جس طرح اطاعت خدا و اطاعت رسول اللہ تحصیل اخلاق الٰہی کی سبب ہے اسی طرح صحبت صادقین بھی تحصیل اخلاق الٰہی کی سبب ہے اس صورت میں جس طرح اطاعت خدا و اطاعت رسول خدا فرض ہے اسی طرح صحبت صادقین بھی مؤمن پر فرض ہے اسی واسطے سیدنا امام علیہ السلام نے خدا کے حکم سے فرمایا ہے کہ صحبت صادقین فرض ہے۔

واضح ہو کہ صادقین کے معنے میں اختلاف ہے۔ اہل تفسیر نے بیان کیا ہے کہ صادق سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ان سے خاص مہاجرین مراد ہیں۔ اور بعضوں نے بیان کیا ہے کہ صادقین وہ لوگ ہیں جن کے ایمان راسخ اور نیتیں پکی ہوں اور حقوق و امانات کی ادا میں راست باز ہوں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ پہلا قول اور دوسرا قول ضعیف ہے کیونکہ جملہ کونوا الخ کا مفہوم

اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مؤمنین ہمیشہ صادقین کے ساتھ رہیں اگر صادقین سے صرف اصحاب و مہاجرین مراد ہوں تو صحبت و معیت کا استمرار باطل ہو جاتا ہے اور آیت کریمہ یہ بتاتی ہے کہ مؤمنین کے لئے جس طرح اتقا فرض دائمی ہے اسی طرح صادقین کی صحبت بھی فرض دائمی ہے پس جو مؤمنین قیامت تک ہوتے جائیں گے۔ صحبت مہاجرین رضی اللہ عنہم و اصحاب رضی اللہ عنہم میں کس طرح رہ سکیں گے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اصحاب و مہاجرین کی صحبت میں رہنے سے ان کی اتباع مراد ہے یعنے مؤمنین پر واجب ہے کہ ان کی اتباع کریں اور ہر حالت میں ان کی اقتداء کو واجب سمجھیں اس صورت میں ان کو اصحاب و مہاجرین کی معیت حاصل ہو جائے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معیت اور صحبت کے معنے اگر اقتداء و اتباع سمجھے جائیں تو اس میں دو قباحتیں ہوں گی۔

اولاً یہ کہ بلا ضرورت تاویل کرنی پڑے گی جس کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ اطاعت خدا و اطاعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم متعدد آیتوں سے فرض گردانی گئی ہے اور صحیح حدیثوں سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب گردانی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم (النساء:۵۹) مفسرین کہتے ہیں کہ اولی الامر سے خلفاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور نیز آیۃ ولیستخلفنھم فی الارض الخ (النور:۵۵) سے بھی خلافت صحابہ رضی اللہ عنہم مراد ہے پس بقول مفسرین اس آیت سے بھی خلفاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء واجب ہوگی اور احادیث میں بھی اصحاب رسول اللہ کی اقتداء کی تعلیم کی گئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم پس جب ان آیتوں میں اور حدیثوں میں اقتدائے اصحاب رضی اللہ عنہم کی تعلیم کی گئی ہے تو آیۃ مذکورہ کو جو اقتدائے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ فائدہ دیتی ہے اقتدائے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

غرض فائدہ حاصلہ پر محمول کرنے سے فائدہ جدیدہ پر محمول کرنا اصوب ہے کیونکہ بقول علمائے معانی و بیان تاکید سے تاسیس بہتر ہے۔

ثانیاً یہ کہ صادقین کا انحصار اگر صحابہ و مہاجرین میں کر دیا جائے تو ائمہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہم اور افراد آخرین امت سے جن کی کرامت و عظمت آیت قرآنی سے منصوص ہو چکی ہے صدق کی نفی ہو جائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ افراد آخرین امت کی شان میں فرمایا ہے و آخرین منھم لما یلحقوا بھم (الجمعہ:۳) یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخرین افراد امت کا تزکیہ فرمائیں گے اور تعلیم دیں گے مگر وہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لاحق نہیں ہیں اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مثل امتی کمثل المطر لایدری اولہ خیر ام اخرہ یعنے میری امت مثل بارش کے ہے معلوم نہیں کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا پچھلا حصہ۔ یہ حدیث ملا علی القادری نے "رسالۃ المہدی" میں اور علامہ سعد الدین تفتازانی نے "شرح مقاصد" میں ذکر کی ہے صاحب عقد الدرر نے بھی "عقد الدرر" میں اس حدیث کی روایت کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ آیت مذکورہ و حدیث مذکورہ اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ آخرین امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعضے لوگ مثل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے کیونکہ جن پیشین گوئیوں کا ذکر قرآن مجید اور حدیث صحیح میں ہوا ہے ان کا وقوع قطعی سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ اصول میں یہی ثابت ہوا ہے غرض صادقین امت قیام قیامت تک ہوتے جائیں گے۔ اس حالت میں صادقین کی تیسری تعریف درست ہوگی یعنی صادقین وہ لوگ ہیں جن کے ایمان سچے اور جن کی نیتیں پاک اور سچی ہوں پس اس صفت سے جو لوگ موصوف ہوں ان کی صحبت میں رہنا اور ان کے اخلاق کی تحصیل میں کوشش کرنا فرض ہے جو عین منشاء آیت کریمہ کا ہے۔

یہ امر بھی لائق اظہار ہے کہ خلق قابل تغیر و زوال ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے ہم اس جگہ مختصراً خلاصہ کے طور پر ذکر کئے دیتے ہیں۔

واضح ہو کہ بعضے عقلاء کا یہ خیال ہے کہ اخلاق میں تبدیلی نہیں ہو سکتی یعنے اگر طبیعت میں خیر ہے تو اس کی طبیعت میں خیریت ہی رہے گی اور کسی کی طبیعت میں برائی ہے تو اس میں ہمیشہ برائی ہی رہے گی اس گروہ کے پاس تعلیم و تربیت ایک بے اثر اور بیکار چیز ہے۔ اور بعضوں کا یہ خیال ہے

کہ ہر انسان کی فطرت میں ایک مخصوص قابلیت ہوتی ہے عام ازیں کہ بھلائی سے متعلق ہو یا برائی سے۔ اس صفت کا انسان جب ایسی تعلیم پاتا ہے کہ اس کی طبیعت کے مخالف ہے تو اس تعلیم سے وہ بالکل متاثر نہیں ہوتا اور جب ایسی تعلیم پاتا ہے کہ وہ اس کی طبیعت کے مناسب ہے تو بہت جلد اس سے متاثر ہو جاتا ہے اور بعضوں کا یہ خیال ہے کہ اخلاق دو قسم پر ہیں ایک طبعی ہیں جو بالکل زوال پذیر نہیں ہیں دیگر عادی ہیں جو زوال پذیر ہیں۔ یعنے اگر کسی کی اصل فطرت میں بھلائی ہے اور تعلیم وصحبت سے اس میں برائی پیدا ہوگئی ہے تو اس برائی کا زوال ممکن ہے اور اگر کسی کی اصل فطرت میں بدی ہے اور تعلیم وصحبت سے نیک بن گیا ہے تو اس کی بھلائی کا زوال ممکن ہے۔ حدیث شریف میں فانه سیعود الی ماجبل علیه سے اسی تقریر کی طرف اشارہ ہے اور بعضوں کا یہ خیال ہے کہ ہر انسان اپنی اصل فطرت میں اچھا ہے نہ برا بلکہ وہ خیر وشر کا قابل ہے جب اس کو خیر کی تعلیم ہوگی تو نیک بن جائے گا اور اگر شر کی تعلیم ہوگی تو شریر ہو جائے گا۔ چنانچہ حدیث کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهوده انه وینصرانه ویمجسانه سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ بعضوں کا یہ خیال ہے کہ ہر انسان کی فطرت میں خیریت ہی ہے مگر تعلیم شرارت سے اس میں شرارت آجاتی ہے اور بعضوں کا یہ خیال ہے کہ ہر انسان کی اصل فطرت میں شر ہے اور تعلیم خیر سے اس میں خیریت آسکتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ شر کی زیادتی اور شدت نہ ہو۔ مخفی نہ رہے کہ یہ بے ہودہ خیال ہے کیونکہ جب انسان کی اصل فطرت ہی شر سے مخلوق ہوئی ہے اور خیر اس کی فطرت میں داخل ہی نہیں ہے تو شر کی زیادتی وکمی کا احتمال ہی نہیں رہا اس کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ انسان دو جوہر سے مرکب ہے ایک جوہر نورانی دیگر جوہر ظلمانی جب جوہر ظلمانی جس سے ہیولی یا طبیعت مراد ہے جوہر نورانی پر غالب ہو تو تعلیم مؤثر نہ ہوگی اور اگر جوہر نورانی جس سے نفس ناطقہ مراد ہے جوہر ظلمانی پر غالب ہو تو تعلیم مؤثر ہو سکتی ہے۔ بعضوں کا یہ خیال ہے کہ فطرت انسانی تین قسم پر ہے۔ اول یہ کہ اصل فطرت میں خیر ہوتی ہے اور اس میں کسی طرح سے شر نہیں ہوتا۔ دوم یہ کہ اصل فطرت میں شرارت ہوتی ہے اور اس میں کسی جہت سے خیر نہیں ہوتی۔ سوم یہ کہ اصل فطرت میں خیر وشر کی قابلیت ہوتی ہے اور تعلیم کا اثر ان میں مرتب ہو سکتا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ رائے درست ہے اور حالات انسانی پر غائر نظر ڈالنے سے بھی یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ جن لوگوں کی اصل فطرت میں خیر ہے اور کسی جہت سے ان میں شر نہیں ہے تو وہ انبیاء علیہم السلام ہیں ان کی طبیعتیں تعلیم الٰہی واخلاق الٰہی کو بہت جلد قبول کر لیتی ہیں ان سے صدور معصیت کا احتمال نہیں ہے اور جن کی فطرت میں محض شر ہے وہ اشقیاء وکفار ہیں ان میں تعلیم مؤثر نہیں ہوتی اور جن کی فطرت میں دونوں قابلیتیں موجود ہیں ان کو اگر خیر کی تعلیم دی جائے گی وہ اخیار ہو جائیں گے اور اگر شر کی تعلیم دی جائے گی تو اشرار ہو جائیں گے۔ پس ان میں تعلیم وصحبت مؤثر ہو سکتی ہے غرض جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ انسان کی فطرت میں ایک قابلیت عامہ ہے یا اس میں مخصوص قابلیت ہے یا اس کی فطرت میں خیر غالب ہے تو ان میں تعلیم وصحبت مؤثر ہو سکتی ہے ان ہی وجوہ سے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی ہے اور جن امتوں نے ان کی تصدیق کی ہے ان ہی فطرتوں سے مخلوق ہونے کی وجہ سے کی ہے اور ان میں جو اعلیٰ مومنین ہوئے اور سابق الخیرات اور صدیقین ہوئے ہیں اسی وجہ سے ہوئے ہیں کہ ان کی فطرتیں محض خیر تھیں یا ان میں خیر غالب تھی اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ارشاد فرمایا ہے نعم العبد صهیب لو لم یخف الله لم یعصه یعنے صہیب بہت اچھا بندہ ہے اگر وہ اللہ سے نہ ڈرتا تو بھی معصیت نہ کرتا۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام حرام اور ان کے ارتکاب پر وعیدات نازل نہ ہوتیں تب بھی صہیب سے گناہ صادر نہ ہوتا اس ارشاد مقدس کی وجہ یہی تھی کہ صہیب کی فطرت محض خیر کے ساتھ مخلوق ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے صحبت صادقین کی قرآن مجید میں تاکید کی گئی ہے اور امام مہدی علیہ السلام نے اپنے مصدقین پر صحبت صادقین فرض کر دیا ہے۔ فتشکرو کن من الصادقین۔

فصل سوم

ہجرت کے بیان میں

ہجرت کے معنی وطن اصلی سے دور ہونے کے ہیں مگر اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ جب وطن میں احکام شرعی کے کہنے اور ان کے ادا کرنے میں مخالفین کی طرف سے ممانعت ہو تو انسان پر فرض ہے کہ وطن سے سفر کرے اور اس سفر سے صرف یہی غرض ہے کہ احکام شرعی کے جاری کرنے میں مزاحمت نہ رہے کیونکہ اگر وہ ایسی حالت میں بھی وطن ہی میں رہے گا تو اس کو احکام شرعی ترک کر دینا پڑے گا یا اپنی جان کھونا پڑے گا جب انسان کو دشمنوں کے مقابلہ میں پستی ہو جائے اور عبادت الٰہی میں ان کی جانب سے ممانعت ہو تو اس پر ہجرت فرض ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذی توفھم الملائکة ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعة فتھاجروا فیھا فاولئک ماواھم جھنم وساءت مصیرا (النساء:۹۷) یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہجرت ضعف کے وقت میں فرض ہے چنانچہ اہل تفسیر کی یہی رائے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ من فرّ بدینہ من ارض الیٰ ارض و ان کان شبرا من الارض استوجب لہ الجنة و کان رفیق ابراھیم ونبیہ علیھما السلام یعنے جو شخص اپنے دین کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ روانہ ہوا اگرچہ ایک بالشت کے برابر بھی اس نے اپنے وطن سے دوری اختیار کی ہے تو وہ ابراہیم علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق ہوگا۔ صاحب تفسیر مدارک نے ذکر کیا ہے کہ آیت فالذین ھاجروا سے یہ مراد ہے کہ دین کی حفاظت کے لئے جہاں امن مل سکتا ہے انسان سفر کرے۔ پس ہجرت زمانہ آخر میں اسی طرح ہوگی جس طرح اول اسلام میں ہجرت تھی اس کی عبارت یہ ہے فالذین ھاجروا وھی

المھاجرة عن اوطانھم الی اللہ بدینھم الیٰ حیث یامنون علیہ فالھجرة کاینة فی آخر الزمان کما کانت فی اول الاسلام غرض ایک مقام سے دوسرے مقام میں ہجرت کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ امور دین کی تبلیغ اور عمل دینی کی ادا اس جگہ نہ ہو سکے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ خلاصہ یہ کہ جب اسباب ہجرت موجود ہو جائیں گے ہجرت فرض ہو جائے گی۔ اور جس نے ہجرت کی یہ تعریف کی ہے کہ انسان مشرکین کی بستی سے مسلمانوں کی بستی میں سفر کرے، غلطی کی ہے اور اگر یہ تعریف صحیح سمجھی جائے تو وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجر سمجھے جائیں گے جنھوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی کیونکہ حبشہ اس وقت دار اسلام نہیں تھا بلکہ دار مشرکین تھا۔ بعضوں نے بیان کیا ہے کہ مکہ فتح ہو جانے کے بعد حکم ہجرت منسوخ ہو گیا کیونکہ حدیث شریف میں مروی ہے لاھجرة بعد الفتح یعنے فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس ہجرت سے ہجرت مخصوص مراد ہے جو مکہ سے مدینہ کی طرف یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی تھی پس اس مخصوص ہجرت کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ جب مکہ فتح ہو گیا تو خود مکہ ہی دار الاسلام ہو گیا پھر دار الاسلام سے ہجرت کرنا ایک غیر ضروری امر ہے۔ اس حدیث سے ان مقامات سے ہجرت کرنے کی ممانعت لازم نہیں آتی جن میں امور دینی کی تبلیغ یا ادا کرنے کی روک تھام کی جاتی ہے پس ان مقامات سے ہجرت کرنا اسی طرح فرض ہے جس طرح کہ فتح مکہ کے پہلے فرض تھی۔ غرض جب اسباب ہجرت پیدا ہو جائیں تو ہجرت فرض ہو جائے گی اسی واسطے ہجرت کرنا ہمارے پاس فرض ہے امام علیہ السلام نے تارک ہجرت پر نفاق کا حکم فرمایا ہے کیونکہ تارکین ہجرت کی شان میں سخت وعید نازل ہوئی ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے الم تکن ارض اللہ واسعة فتھاجروا فیھا فاولئک ماواھم جھنم وساءت مصیرا (النساء:۹۷) اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین جب وسیع ہو تو تمہارا فرض تھا کہ تم اپنے وطن سے ہجرت کرتے جب وہ لوگ اس حکم کے بعد بھی ہجرت سے راضی نہیں ہیں تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شاید ان لوگوں کے دل اس بات سے راضی ہیں کہ احکام دین اگر ادا نہ ہوں تو مضائقہ نہیں ہے مگر کفار ہم سے ناراض

نہ ہو جائیں پس ایسے لوگوں کی جگہ جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ سبب ہجرت جس جگہ موجود ہو جائے ہجرت فرض ہو جاتی ہے اور جو لوگ ہجرت نہ کریں ان پر نفاق کا حکم ہوگا اور وہ لوگ منافقین سمجھے جائیں گے۔ پس جن لوگوں نے عام ازینکہ اگلے زمانہ کے ہوں یا آئندہ زمانہ کے سبب ہجرت کے موجود ہونے کے بعد اگر ہجرت نہیں کی یا اس سے باز رہے وہ سب منافق ہیں کیونکہ نص مذکور نے ضرورت کے وقت ہر زمانہ میں ہجرت کا حکم فرض کر دیا ہے جس میں کسی طرح کی تاویل کی گنجائش نہیں ہے اور یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنھوں نے امام علیہ السلام کی تصدیق کی مگر فتنوں کے مواقع سے امام مہدی علیہ السلام کے ساتھ یا امام علیہ السلام کی طرف ہجرت نہیں کی بلکہ اپنے وطن میں رہ گئے پس ان کے منافق ہونے میں شبہ نہیں ہے۔

فصل چہارم

ذکر کے بیان میں

اللہ جل شانہ قرآن مجید میں فرماتا ہے فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبکم (النساء:۱۰۳) یعنے اللہ تعالیٰ کو اٹھتے بیٹھتے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے یاد کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ای باللیل والنہار فی البر والبحر والسفر والحضر والمرض والصحۃ والسر والعلانیۃ یعنے رات دن جنگل میں تری میں سفر میں اقامت میں بیماری میں تندرستی میں چھپا کر آشکارا اللہ تعالیٰ کی یاد کرو اور نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والاصال ولاتکن من الغافلین (الأعراف:۲۰۵) یعنے اللہ تعالیٰ کو اپنے نفس میں عاجزی کے ساتھ اور چھپا کر یاد کرو آواز سے یعنے پکار کر مت یاد کرو صبح وشام یعنے ہمیشہ اسی ذکر میں رہو اور غافل مت رہو۔ امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول جو بالغدو والاصال ہے اس معنی پر دلالت کرتا ہے کہ ذکر خدا سارے اوقات میں واجب ہے اور ولا تکن من الغافلین سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ذکر قلبی ہمیشہ اور ہر وقت میں واجب ہے اور نیز واجب ہے کہ انسان ایک لحظہ اللہ تعالیٰ کے حضور جلال سے غافل نہ رہے ان کی عبارت یہ ہے المعنی ان قولہ تعالیٰ بالغدو والاصال دال علیٰ انہ یجب ان یکون الذکر حاصلا فی کل الاوقات وقولہ ولا تکن من الغافلین یدل علیٰ ان الذکر القلبی یجب ان یکون دایما وان لایغفل الانسان لحظۃ واحدۃ عن استحضار جلال اللہ وکبریائہ بقدر الطاقۃ البشریۃ اور نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا (الاحزاب:۴۱) یعنے اے مومنین تم اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو۔ صاحب معالم التنزیل روایت کرتے ہیں قال ابن عباس رضی

اللہ تعالیٰ عنہ لم یفرض اللہ علی عبادہ فریضۃ الاوجعل لھا حدا معلوما ثم عذر اھلھا فی حال العذر غیر الذکر فانہ لم یجعل لہ حدا انتھی الیہ ولم یعذر احدا فی ترکہ الا مغلوبا علی عقلہ وامرھم فی الاحوال کلھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کسی عمل کو اس طرح فرض نہیں کیا ہے کہ اس کی کوئی حد مقرر نہ ہو مثلاً بیمار کے لئے نماز میں قیام معاف فرمادیا ہے اور اگر سخت بیمار ہو اور اس سے اٹھنا بیٹھنا سجدہ کرنا نہ ہوسکتا ہو تو اس کے لئے یہ سب فرائض معاف کردیئے گئے ہیں اور صرف اشارہ سے نماز پڑھ لینا اس کے لئے کافی سمجھا گیا ہے اور اسی قدر اس پر فرض کیا ہے۔ غرض تندرست انسان کے لئے اداء نماز میں یہ حد مقرر کی گئی ہے کہ وہ سب ارکان نماز کے ساتھ پڑھے یعنی قیام رکوع سجود وقعدہ اخیرہ وغیرہ ادا کرے اور کمزور بیمار کے لئے یہ حد قرار دی گئی ہے کہ وہ اشارہ سے نماز پڑھا کرے اس کو مذکورہ فرائض کی حاجت نہیں ہے اور روزہ کی بھی یہی حالت ہے کہ مقیم اور تندرست پر روزہ رمضان رکھنا فرض ہے اور مریض ومسافر کے لئے یہ آسانی ہے کہ زمان تندرستی اور اقامت میں رمضان کے روزوں کا بدل رکھ لیوے اور نیز زکوۃ کا فرض بھی مشروطی رکھا گیا ہے یعنی نصاب زکوۃ پر جب تک پورا برس نہ گزرے صاحب مال پر زکوۃ فرض نہیں ہوتی اور حج کی بھی یہی حالت ہے کہ بغیر زادوراحلہ کے اداء حج کی تکلیف نہیں دی گئی ہے غرض ان سب فرضوں کے لئے حدود اور اوقات معین کئے گئے ہیں مگر ذکر ایسا فرض ہے کہ اس کے لئے کوئی حد وغایت مقرر نہیں ہے اور نہ کسی وجہ سے انسان اس فرض سے معذور رہ سکتا ہے پس ذکر ہر وقت و ہر حال میں انسان پر فرض ہے۔ البتہ اس حالت میں انسان فرض ذکر سے معذور رہ سکتا ہے کہ اس کو عقل وشعور نہ رہے۔

مذکورہ آیتوں سے ثابت ہے کہ ذکر خدا ہر حالت وہر وقت میں فرض ہے کیونکہ ان سب آیتوں میں ذکر کرنے کا حکم صیغہ امر سے دیا گیا ہے اور صیغہ امر جب بلا قرینہ صارفہ استعمال کیا جاتا ہے تو حکم کی فرضیت پر دلالت کرتا ہے چونکہ ذکر خدا بھی مذکورہ آیتوں میں صیغہ امر سے استعمال کیا گیا ہے۔ لہذا ان صیغوں سے بھی ذکر خدا کی فرضیت ثابت ہوگی پس ان ہی آیات سے سیدنا امام

مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ذکر خدا فرض ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ذکر خدا عام اوقات اور عام حالات میں فرض ہے اور فرمایا ہے کہ مومن کامل وہی شخص ہے جو آٹھ پہر خدا کی یاد کرے اور ایک لحظہ بھی یاد خدا سے غافل نہ رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ولاتکن من الغافلین فرماتا ہے پس جو شخص اس صفت سے موصوف نہیں ہے وہ مومن کامل نہیں ہے۔

واضح ہو کہ علماء اور صوفیہ کو اس امر میں اختلاف ہے کہ خدا کی یاد افضل ہے یا خدا کی ذات میں فکر کرنا افضل ہے۔ بعضے علماء کا یہ خیال ہے کہ فکر ذکر سے افضل ہے اور بعضوں کا یہ خیال ہے کہ ذکر فکر سے افضل ہے جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ فکر ذکر سے افضل ہے ان کے یہ وجوہ ہیں۔

اول یہ کہ فکر عمل قلبی وروحی ہے اور ذکر عمل لسانی ہے پس جس طرح زبان سے قلب اور روح افضل ہے اسی طرح ذکر سے فکر افضل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مستدل نے ذکر وفکر کی تعریف نہیں کی اور یہ نہیں بیان کیا کہ فکر سے کیا مقصود ہے خلایق میں فکر کرنا مقصود ہے یا اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر کرنا مقصود ہے اگر فکر کے یہ معنی ہیں کہ انسان ذات خدا میں غور وتامل کرے تو یہ ممنوع ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تفکروا فی خلق اللہ ولا تتفکروا فی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں فکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں فکر نہ کرو۔ پس ذات خدا میں فکر وتامل جائز نہیں ہے اور آیات کریمہ بھی یہی ثابت کرتے ہیں بلکہ مخلوق خدا کے عجائب وغرائب میں فکر کرو کیونکہ ان میں فکر وتامل کرنے سے تم کو اس کی حکمتوں اور مصلحتوں پر اطلاع ہوجائے گی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ماخلقت ھذا باطلا (آل عمران:۱۹۱) یعنی جو لوگ اٹھے بیٹھے لیٹے ہوئے اللہ جل شانہ کی یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی مخلوق میں فکر کرتے ہیں ان کا یہ مقولہ ہے کہ اے پروردگار تو نے یہ مخلوق بیکار نہیں پیدا کی ہے۔ اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت وہر حال میں یاد کرنا دیگر یہ کہ اس کی مخلوق میں فکر کرنا۔ ان دو باتوں کے سوا کوئی اور بات آیت مذکورہ میں موجود نہیں ہے پس اشارت النص یہ بتاتی ہے کہ ذات خدائے تعالیٰ چونکہ مجہول النعت اور منقطع

الاشارہ ہے اس میں کسی طرح کی فکر جائز نہیں ہے۔ لہذا بندہ کا یہ کام ہے کہ اپنے کو بھول جائے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے اسی واسطے علماء نے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات محدود ومتصور نہیں ہے محدود اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہر چیز کی حد میں اجزاء کی ضرورت ہوتی ہے عام ازینکہ ذہنی ہوں یا خارجی پس جب اس قسم کے اجزاء کسی چیز کے لئے پائے جائیں گے تو وہ چیز محدود ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ چونکہ ذہناً اور خارجاً بسیط ہے یعنی اس کے لئے اجزاء ذہنی وخارجی نہیں ہیں تو وہ محدود بھی نہیں ہے کیونکہ اگر ذات باری تعالیٰ اجزاء سے مرکب ہوگی تو یہ اجزاء یا سب کے سب واجب الوجود ہوں گے یا ممکن الوجود ہوں گے یا ممتنع الوجود ہوں گے۔ پہلی تقدیر پر یعنی جب سب اجزاء واجب الوجود ہوں گے تو وہ سب کے سب واجب ہونے کی جہت سے غنی ہوں گے اور ترکیب کے محتاج نہ ہوں گے اس صورت میں ذات واجب تعالیٰ کا حصول محال ہوگا۔ نیز اس تقدیر پر واجب تعالیٰ کی کثرت لازم آئے گی۔ حالانکہ دلائل عقلیہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ذات واجب تعالیٰ واحد محض اور بسیط حقیقی ہے پس یہ بات باطل ہے کہ ذات واجب تعالیٰ اجزاء واجبہ سے مرکب ہے۔ دوسری تقدیر پر یعنی جب سب اجزاء ممکن ہوں گے تو یہ اجزاء ممکن ہونے کی وجہ سے اپنی ذات کے تقرر اور اپنی حقیقت کے قیام میں علت کے محتاج ہوں گے اس کے یہ معنی ہیں کہ علت کے پہلے یہ اجزاء موجود نہ ہوں گے بلکہ معدوم ہوں گے تو ایسے اجزاء سے جن کی حقیقت خود معدوم ہے ذات واجب تعالیٰ کیونکر مرکب ہو سکے گی کیونکہ اجزائے ممکنہ سے جو مرکب حاصل ہوگا وہ بھی ممکن ہوگا پس اس تقدیر پر واجب الوجود کا ممکن الوجود ہونا لازم آتا ہے اور وہ باطل ہے۔ تیسری تقدیر پر یعنی ذات واجب تعالیٰ کا اجزاء ممتنعہ سے مرکب ہونا صاف باطل ہے کیونکہ اجزاء فرضیہ سے جو کہ عدم محض ہیں ذات واجب تعالیٰ کا تقرر محال ہے پس یہ تینوں احتمال محال ہیں پس ذات باری تعالیٰ کا محدود ہونا محال ہے اب رہی یہ بات کہ ذات باری تعالیٰ متصور بھی نہیں ہو سکتی اس کا بیان یہ ہے کہ تصور شئے چار طور پر ہوا کرتا ہے۔ بالکنہ، یا بکنہ۔ بالوجہ۔ یا بوجہ۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ ہر شئے کی جو صورت ذہن میں حاصل ہوتی ہے وہ صورت حاصلہ اصل شئے کے ملاحظہ اور اس کے انکشاف کا آئینہ بن سکتی ہے یا نہیں اگر اصل شئے کے ملاحظہ اور اس کے انکشاف

کا آئینہ بن سکتی ہے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ صورت حاصلہ اصل شئے سے متحد بالذات اور متغایر بالاعتبار ہے یا متحد بالاعتبار اور متغایر بالذات ہے اگر متحد بالذات اور متغایر بالاعتبار ہے تو وہ تصور بالکنہ ہے اور اگر متحد بالاعتبار اور متغایر بالذات ہے تو وہ تصور بالوجہ ہے اور اگر صورت حاصلہ اصل شئے کے ملاحظہ اور اس کے انکشاف کا آئینہ نہیں بن سکتی ہے مگر نفس شئے سے اس کا پورا تعلق ہو تو وہ تصور بکنہہ ہے اور اگر نفس شئے سے اس کا تعلق کسی ایک وجہ سے ہو تو وہ تصور بوجہہ ہے۔

جب یہ تقریر واضح ہوگئی تو یہ سمجھنا چاہئے کہ وجود باری تعالیٰ اور صفات باری تعالیٰ چونکہ حکماء اور صوفیہ کے پاس عین ذات باری تعالیٰ ہیں تو محال ہے کہ باری تعالیٰ کا تصور بالکنہ یا بکنہہ ہو سکے کیونکہ جب باری تعالیٰ بسیط حقیقی ہے اور مرکب نہیں ہے تو اس کی تحدید محال ہے اور چونکہ وجود باری تعالیٰ اور صفات باری تعالیٰ عین ذات باری تعالیٰ ہیں تو باری تعالیٰ کا تصور بکنہہ بھی محال ہوگا۔ مگر تصور بالوجہ وبوجہہ محال نہیں ہے کیونکہ مخلوقات اور ان کے آثار میں غور کرنے سے تصور بالوجہ اور تصور بوجہہ کا حصول ممکن ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں فکر وغور کرنے کا حکم دیا ہے۔

غرض ذات باری تعالیٰ میں فکر وغور کرنا طلب محال ہے اور چونکہ طلب محال ممنوع ہے۔ لہذا ذات باری تعالیٰ میں بھی غور وفکر ممنوع ہے اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **ولاتتفکروا فی اللہ** متکلمین کا یہ خیال ہے کہ وجود باری تعالیٰ اور صفات باری تعالیٰ عین ذات باری تعالیٰ نہیں ہیں۔ بلکہ ذات باری تعالیٰ پر زاید ہیں یہ مذہب اکثر متکلمین کا ہے مگر شیخ ابوالحسن اشعری نے یہ بیان کیا ہے کہ وجود عین ذات باری تعالیٰ ہے اور صفات باری تعالیٰ نہ ذات باری تعالیٰ ہیں نہ غیر ذات باری تعالیٰ۔ متکلمین کے مذہب کے بموجب ذات باری مرتبہ لاتعین میں ہے اور سب جہات اور اعتبارات سے غیب الغیب ہوگی کیونکہ جب وجود مرتبہ ذات پر زاید ہے تو ذات کے مرتبہ کا تقرر مرتبہ وجود سے علیحدہ ہوگا اور جب اس مرتبہ میں ذات باری تعالیٰ وجود سے بھی منزہ ہے تو بالکل مجہول النعت اور غیب الغیب ہوگی اس صورت میں اس کا تصور نہ بالکنہ ہوگا اور نہ بکنہہ اور نہ بالوجہ ہوگا اور نہ بوجہہ۔ اور شیخ ابوالحسن اشعری کے مذہب کے بموجب تصور بالکنہ اور بکنہہ محال ہوگا اور جس طرح کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ تصور بالوجہ اور بوجہہ محال نہ ہوگا مگر وہ

مفید مطلب نہیں ہے اس وجہ سے کہ مخلوق خدا میں فکر کرنے کے ہم بھی قائل ہیں مگر اس فکر سے بجز اس کے کہ علم خالقیت حاصل ہو اور کسی بات کا علم نہیں ہوتا۔ اب رہی یہ بات کہ جب ذات باری تعالیٰ صفات کی قید سے اعتبار کی جائے گی تو وہ متصور ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس کا بیان یہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ اگرچہ مذہب متکلمین کے بموجب ذات باری تعالیٰ پر زاید ہیں تاہم یہ صفات بھی اسی ذات مجہول النعت کے شیون ہیں جو کسی طرح متصور نہیں ہو سکتی پس ان صفات کے حقائق بھی مجہول النعت ہوں گے اور ان کا بھی وہی حکم ہوگا جو ذات باری تعالیٰ کا حکم ہے۔ کیونکہ منشاء ان صفات کا نفس ذات باری تعالیٰ ہے اگر ان کا منشاء ذات باری تعالیٰ نہ ہوگی بلکہ کوئی دوسری چیز ان کا منشاء ہوگی تو ذات باری تعالیٰ کی احتیاج لازم آئے گی اس صورت میں ذات باری تعالیٰ ممکن ہو جائے گی اور واجب نہ رہے گی اور یہ باطل ہے۔ غرض صفات باری تعالیٰ میں مزید تامل کے بعد یہ علم حاصل ہو سکتا ہے کہ یہ سب صفات قدیم ہیں ورنہ ذات باری تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آئے گا اور یہ بات باطل ہے۔ حاصل یہ کہ صفات باری تعالیٰ کا تصور کرنا اور ان کے معانی میں تامل کرنا اس مذہب کے رو سے بھی دشوار ہے۔ شیخ ابوالحسن اشعری جو اس بات کے قائل ہیں کہ صفات باری تعالیٰ نہ عین ذات باری تعالیٰ ہیں اور نہ غیر ذات باری تعالیٰ ہیں سخت مشکل ہے کہ انسان ان معنی کے نظر کرتے مسئلہ صفات میں غور کر سکے۔ کیونکہ اس قول کے نظر کرتے ان کی حقیقت مجہول ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ذات وصفات کے مسائل میں غور و تامل کرنا قوت عقل انسانی سے باہر ہے۔ اس صورت میں ذات وصفات باری میں فکر کرنا طلب محال میں کوشش کرنا ہے۔ اسی وجہ سے رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تفکروا فی خلق اللہ ولا تتفکروا فی اللہ یعنی اللہ کی مخلوق میں فکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں فکر نہ کرو۔ جب قرآن شریف اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذات وصفات خدا میں فکر کرنا ممنوع معلوم ہوتا ہے اور دلائل عقلیہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں فکر کرنا طلب محال ہے تو اس قسم کی فکر جو کہ بیکار اور ممنوع ہے کس طرح ذکر خدا سے افضل ہوگی۔ غرض فکر بمعنی متعارف ذکر خدا سے افضل نہیں ہے

بلکہ وہ جائز ہی نہیں ہے۔ اگر فکر کے وہ معنی مراد نہ ہوں جو مشہور متعارف ہیں بلکہ اس سے صرف خیال جمانا اور دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا مقصود ہے تو یہ اصطلاح جدید ہے جو قابل بحث نہیں ہے اور اس قسم کا خیال اور توجہ ذکر قلبی کے شیون سے ہے کیونکہ فکر میں متعدد چیزوں کی طرف توجہ کرنے اور ان میں باہمی ترتیب دینے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے مطلوب کی تحصیل مقصود ہوتی ہے اور یہاں صرف ایک چیز کی طرف توجہ ہے نہ ترتیب ہے اور نہ تحصیل غرض فکر ان معنوں کے اعتبار سے اس جگہ قابل بحث نہیں ہے۔ واضح ہو کہ ذکر کے کئی قسم ہیں۔

اول ذکر لسانی اس ذکر کا دوسرا نام تلقہ ہے۔

دوم ذکر قلبی اس ذکر کا دوسرا نام صوفیہ کے پاس وسوسہ ہے۔ ہماری قوم میں ذکر قلبی اس نام سے موسوم نہیں ہے اور ذکر پر وسوسہ کے لفظ کے اطلاق کو برا بھی سمجھتے ہیں۔

سوم ذکر روحی اس ذکر کا دوسرا نام مشاہدہ ہے۔

چہارم ذکر سری اس کا دوسرا نام معاینہ ہے۔

پنجم ذکر خفی اس کو مغایبہ کہتے ہیں۔

ذاکر کا اول فرض یہ ہے کہ زبان اور آنکھ اور کان کو غیر خدا میں مشغول نہ رکھے بلکہ سب حواس کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرے اور نفسانی وسوسوں کی تردید میں کوشش کرے یا ور ہمیشہ تعوذ پڑھے اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعوذ کی تاکید فرمائی ہے۔ صوفیہ نے طالب کو اولاً ذکر لسانی کا طریقہ بتایا ہے کیونکہ طالب کو اپنے مطلوب کے نام سے بشاشت اور مسرت حاصل ہوتی ہے اور جب اس کا نفس اس ذکر سے خوگر اور وساوس ماسوی اللہ کی تردید پر قادر ہو جاتا ہے اور حضور قلبی سے موصوف ہو جاتا ہے تو اس کو ذکر قلبی کی تعلیم کی جاتی ہے اس ذکر میں طالب کو لطیفہ قلبی کے اسرار پر اطلاع ہو جاتی ہے اور چھپی ہوئی باتیں اس کے دل پر مکشوف ہو جاتی ہیں اور کشف والہام کے انوار سے اس کا دل منور ہو جاتا ہے اس کے بعد ذاکر اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کو ذکر روحی کی تعلیم دی جائے۔ اس ذکر میں ذاکر اسرار اسماء وصفات کا مشاہدہ کرتا ہے اور ملکی خصائل سے

موصوف ہوجاتا ہے۔ ہزاروں کوس کی چیزوں کو دیکھ لینا اور ہزاروں کوس کی آوازوں کو سن لینا اور ایک آن میں ہزاروں کوس پر چلا جانا اس کا ادنیٰ کرشمہ ہے اس قسم کے ذاکر بہت کم ہیں۔ اس کے بعد ذکر سری کی نوبت ہے جب اس ذکر میں سالک کو کامیابی ہوجاتی ہے تو تجلیات وحدت ہر چیز سے نظر آتے ہیں جن میں سے ہر ایک میں شان وحدت نظر آتی ہے اس وقت میں سالک کا تعین وجودی باطل ہوجاتا ہے اور اس کی جگہ شیون امہات صفات نظر آتے ہیں غرض اس ذکر سے وہ انبیاء علیہم السلام موصوف ہیں جن کا عروج تعین اول کے مقام تک ہے۔ اس کے بعد ذکر خفی کا مرتبہ ہے اس قسم کا ذاکر آپ کو اور سب اشیاء کے تعینات کو غائب پاتا ہے اور وجود مطلق ہی اپنا ظہور سمجھتا ہے۔ چونکہ اس کا قلب تجلیات ذاتی سے منور ہوجاتا ہے۔ لہذا ہر طرف اس کو یہی تجلیات نظر آتی ہیں۔ ذاکر کا یہ مغائبہ ایک طریق پر نہیں ہوتا بلکہ کبھی آنی ہوتا ہے اور کبھی زمانی۔ یہ امور فضل خدا پر موقوف ہیں اور ریاضت وطاعت ان کی علت نہیں ہیں اسی وجہ سے ان اذکار کے نتائج ہر ذاکر پر مرتب نہیں ہوتے کیونکہ ان اعمال کے نتائج امور وہبیہ ہیں پس واہب کے لطف وکرم پر ان کا حصول موقوف ہے۔ ان کے اذکار کی تعریفات اور ان کے کیفیات میں میں نے اس وجہ سے بحث نہیں کی کہ اس رسالہ کا موضوع ان بحثوں کے قابل نہیں ہے۔ رسالہ شرح وحدۃ مطلقہ میں میں نے کلمہ لا الہ الا اللہ میں طویل بحث کی ہے اور اس میں ذکر خفی کے مباحث کی وضاحت کی ہے جس کو ان بحثوں کا ذوق ہو کتاب مذکور کی طرف رجوع کرے۔

اس زمانہ میں جن اصحاب کو ان اذکار کی مشق کا دعویٰ ہے میں اس کو اس وجہ سے صحیح نہیں سمجھتا کہ ان میں ان ذاکرین کے صفات وعلامات موجود نہیں ہیں جن کا موجود ہونا ان ذاکرین میں ضروری ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص ذکر روحی کا مدعی ہے اور اس میں ملکی اور روحی خصائل موجود نہیں ہیں تو کیونکر باور کیا جائے کہ اس شخص کو ذکر روحی حاصل ہے کیونکہ صفت وخصلت بمنزلہ لازم ہوتی ہے جو اپنے ملزوم سے جدا نہیں ہوتی۔

فصل پنجم

ترک دنیا کے بیان میں

امام علیہ السلام نے اپنے مصدقین پر ترک دنیا فرض کی ہے۔ عام محققین نے بیان کیا ہے کہ دنیا کے معنی غفلت ہیں یعنی خدا کی ذات وصفات اور اس کے احکام سے غافل رہنا عام ازینکہ تمام عمر غافل رہے یا ایک لحظہ غافل رہے اس صورت میں غفلت کے مدارج نکلیں گے اور عام مفہوم غفلت سب مدارج پر صادق آئے گا۔ پس مفہوم غفلت کلی مشکک ہوگا۔ پس اس کے افراد میں تفاوت ہونا ضرور ہے۔ یعنی بعضے افراد میں یہ مفہوم شدت کے ساتھ پایا جائے گا اور بعضے افراد میں ضعف کے ساتھ پایا جائے گا۔ یہ تفاوت علت ہوگا اس تفاوت واختلاف کا جو ان افراد کے احکام میں پایا جائے گا اس کے یہ معنی ہیں کہ ان افراد کا حکم جدا ہوگا جن میں مفہوم غفلت شدت کے ساتھ پایا جائے اور ان افراد کو حکم علیحدہ ہوگا جن میں یہ مفہوم ضعف کے ساتھ پایا جائے گا۔ پس غفلت کے دو قسم ہیں۔

پہلی قسم یہ کہ خدا سے غفلت ہو۔

دوسری قسم یہ کہ غیر خدا سے غفلت ہو اور خدا کے سوا دوسری چیز یاد نہ ہو۔ اس قسم سے یعنی اس صفت سے جو موصوف ہے وہ حقیقی مومن ہے۔ عام محققین ایسے شخص کو تارک دنیا کہتے ہیں، اور اس مقام میں بھی مفہوم تشکیک کا احتمال ہے کیونکہ بعضے سالک ایسے ہیں کہ ان کو اپنا اور اپنے خدا کا خیال باقی رہتا ہے اور بعضے سالک ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو اپنے تعین کا خیال بھی نہیں رہتا بلکہ ان کو صرف ظہور مطلق اور وجود مطلق نظر آتا ہے تعینات کے پردے اس کی نظر وحدت بین کے سامنے سے اٹھ جاتے ہیں۔ افراد امت محمدیہ میں یہ شخص افضل ہے اسی صفت کا شخص لائق ارشاد وہدایت ہوتا ہے اس کے قلب روشن میں ایسی قابلیت ہوتی ہے کہ وہ تجلیات ذاتی وصفاتی کا آئینہ ہوجاتا ہے

ایسا شخص اگر مامور من اللہ ہو جائے گا تو وہ نبی و خلیفۃ اللہ ہو جائے گا اکثر انبیاء مرسلین اسی صفت سے موصوف ہیں چنانچہ سابق میں ہم نے بیان کیا ہے۔ پہلی قسم کے کئی قسم ہیں۔

پہلی قسم یہ کہ انسان کو خدا کی ذات و صفات و احکام خدا سے غفلت رہے اس کے یہ معنی ہیں کہ سارے اُمور الٰہیہ و شرعیہ کا اس کو علم نہ ہو۔ اس صفت سے جو موصوف ہے وہ دہریہ ہے اس کے خیال میں عالم کا کوئی صانع نہیں ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ سارا عالم بغیر فاعل پیدا ہوا ہے پھر یہ بیان کرتا ہے کہ عالم کا صانع طبیعت دہری ہے یہ شخص مذہبوں میں کافر ہے یہ فرقہ یہ نہیں خیال کرتا ہے کہ ہر مرکب شئی کی طبیعت اس کے اجزاء کے کسر و انکسار کا معلول ہوتی ہے تو جب طبیعت اجزائے مرکب کی کسر و انکسار کا معلول ہو تو پھر وہی طبیعت اگر فاعل ہوگی تو واجب ہوگا کہ وہ اجزاء مرکب کے پہلے موجود ہو کیونکہ ہر علت فاعلیہ اپنے معلول پر مقدم ہوا کرتی ہے اس صورت معلول کا علت فاعلیہ پر مقدم ہونا لازم آ جاتا ہے جو باطل ہے۔

دوسری قسم یہ کہ خدا کی ذات و صفات کا اس کو علم ہو مگر امور شرعیہ منزلہ سے اس کو غفلت ہو۔ اس غفلت سے یہ مراد ہے کہ امور شرعیہ، منزلہ سے بالکل بے پروائی کرتا ہو اور ان کا ہونا نہ ہونا یکساں سمجھتا ہو۔ اس قسم سے جو موصوف ہے وہ بھی کافر ہے۔

تیسری قسم یہ کہ ذات و صفات باری تعالیٰ اور اس کے احکام سے غافل نہ ہو بلکہ ان سب چیزوں کو اجمالاً جانتا ہو مگر اس کے احکام پر عمل نہ کرتا ہو اور اس کا عمل نہ کرنا صرف غلبۂ قوت شہوانی سے ہو اور بے پروائی کی وجہ سے نہ ہو تو ایسا شخص بھی غافل ہے اور اس کو فاسق کہتے ہیں۔

چوتھی قسم یہ کہ ذات و صفات خدائے تعالیٰ سے اس کو غفلت نہ ہو یعنی ان کا علم اجمالی رکھتا ہو اور اعمال شرعیہ سے بھی واقف ہو اور ان میں مشغول بھی ہو اور مناہی کا تارک بھی ہو یہ شخص اس جہت سے غافل ہے کہ اس کو مسائل ذات و صفات باری تعالیٰ میں اشتغال نہیں ہے پس اس جہت سے اس پر تارک صادق نہ آئے گا اور اس جہت سے وہ غافل نہ ہوگا کہ وہ مناہی سے پرہیز کرتا ہے پس اس جہت سے اس پر تارک صادق آئے گا مگر یہ ادنیٰ تارک ہے۔

پانچویں قسم یہ کہ جن اُمور الٰہیہ اور اعمال شرعیہ کا اس کو علم دیا گیا ہے ان سب میں یا اکثر

میں اس کو اشتغال بھی ہے ایسے شخص کو حکماء نے حکیم و فیلسوف کہا ہے اور لسان شرع میں اس کو امام کہتے ہیں یہ شخص عام محققین کے پاس تارک دنیا ہے۔ اس کی عام شناخت یہ ہے کہ اس کے ہر قول و فعل کا صدور اعتدال پر ہوگا اور اس میں اس کی نکوکاریوں کی جھلک نمودار ہوگی اور ان چیزوں سے اس کو نفرت ارادی ہوگی جس سے انسان کی ناجائز نفسانی خواہشیں پوری ہوتی ہیں۔ اس کے اقوال میں ملکی قوت ظاہر ہوگی اور ایسے افعال اس سے صادر ہوں گے جو خارق عادت ہیں اس کی بات چیت میں روحانی تسکین اور دلوں میں روشنی پیدا ہوگی اس کی صحبت سے نیک خصلتیں پیدا ہوں گی اور بری سیرتیں دور ہوں گی اس بیان سے ظاہر ہے کہ ترک دنیا محققین صوفیہ کے پاس بمعنی ترک غفلت ہے اور تارکین کے اختلاف مراتب باعتبار ترک غفلت ہیں۔

واضح ہو کہ ترک دنیا عام محققین و متکلمین کے پاس فرض نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ پس اس کا تارک ان کے پاس مستوجب عذاب نہیں ہو سکتا اور عام تعلیم مقام نبوت بھی اسی طرح ہے اسی واسطے ائمہ مجتہدین نے ان مسائل میں موشگافیوں سے کام نہیں لیا بلکہ صرف مسائل عبادات و معاملات کی چھان میں مصروف رہے مگر سیدنا امام مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن کا عام دعوے بصیرت کا ہے اور جو خلیفۃ اللہ اور داعی الی اللہ ہیں حکم خدا سے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ترک دنیا فرض ہے اس دعوی پر چند آیتوں سے حجت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ومن کان یرید الحیاۃ الدنیا وزینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لایبخسون اولئک الذین لیس لھم فی الآخرۃ الا النار** (ہود: ۱۶،۱۵) اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا و زینت دنیا کے جو لوگ خواہش مند ہیں ان کے لئے آخرت میں دوزخ کے سوا کوئی چیز نہیں ہے۔ اس آیت میں کلمہ من جو وارد ہے وہ مسلم و کافر کو شامل ہے پس جن میں ارادہ دنیا و زینت دنیا کی صفات موجود ہوگی وہ لوگ اس آیت کے حکم میں داخل ہوں گے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرید دنیا کی سزا عذاب نار ٹھہرائی ہے اور اس کو بطور حصر بیان کیا ہے یعنی مرید دنیا کی سزا آخرت میں عذاب دوزخ ہی ہوگی اور علم اصول میں ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب دوزخ کی سزا اسی شخص کے لئے ٹھہرائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر سے نہیں ڈرتا پس مرید دنیا در اصل وہی شخص ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے امر کا ڈر نہیں ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ کے امر کا ڈر نہیں ہے وہ کافر ہے پس مرید دنیا کافر ہے اسی

واسطے بعضے مرویات امام مہدی موعود علیہ السلام سے یہی ثابت ہوئی ہے کہ "ورائے ترک دنیا ایمان نیست" دوسری آیت میں فاما من طغی و آثر الحیوۃ الدنیا فان الجحیم ھی الماوی (النازعات ۳۷) یعنی جس نے حیات دنیا اختیار کی ہے دوزخ اس کا مقام ہے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں بیان فرمایا ہے کہ دنیا کی محبت ہر خطا کی سردار ہے جب انسان ان دونوں وصفوں یعنی طغیان اور اختیار حیات دنیا سے موصوف ہوگا کفار اور مخلد فی النار ہوگا۔ امام رازی کی عبارت یہ ہے وانما ذکر ذلک لماروی عنہ علیہ السلام انہ قال حب الدنیا راس کل خطیئۃ وھتی کان الانسان والعیاذ باللہ موصوفا بھذین الامرین کان بالغافی الفساد الی اقصی الغایات وھو الکافر الذی یکون عقابہ مخلدا غرض دنیا کا اختیار کرنا اور اسی کا ارادہ رکھنا علت عذاب نار ہے اسی واسطے امام مہدی موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ترک دنیا فرض ہے۔ متکلمین نے ان آیتوں کے معانی میں بالکل غور نہیں کیا اور ان کے اصلی حقائق کو نہیں سمجھا لہذا ترک دنیا ان کے خیال میں مستحب رہ گئی جب انھوں نے اور علمائے اصول نے یہ ثابت کردی ہے کہ جس چیز کے اختیار میں عذاب دوزخ کی وعید ہے اس کا ترک بالضرور فرض ہوگا پس جب دنیا کا ارادہ اور اس کا اختیار موجب عذاب نار ہے تو بالضرور اس کا ترک فرض ہوگا مگر چونکہ علماء اصول و فقہاء و متکلمین نے ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں کی ہے جو تقرب خدا اور کمالات نفسانی کے اسباب ہیں لہذا انھوں نے ان احکام کا استخراج نہیں کیا اگرچہ یہ چیزیں ان کے احکام کلیہ کے تحت میں داخل اور ان کے معینہ اصول کی فروع میں شامل تھیں تاہم انھوں نے ان امور کی تفصیل میں خاص توجہ نہیں کی۔

واضح ہو کہ جس طرح ارادہ دنیا کا ترک فرض ہے اسی طرح متاع دنیا کا ترک بھی فرض ہے کیونکہ دنیا کی ساری چیزیں اسباب غفلت ہیں جب انسان کو ان میں اشتغال ہوگا اور ان ہی کے استعمال میں کوشش کرے گا تو یقین ہے کہ وہ غافل ہو جائے گا۔ پس ترک متاع دنیا بھی فرض ہے۔ واضح ہو کہ اس سے رہبانیت مقصود نہیں ہے۔ بلکہ اس بیان سے مقصود یہ ہے کہ سالک پر فرض ہے کہ سب اسباب دنیاوی سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جائے اور غیر خدا سے اس کو محبت نہ رہے اس کا ہر فعل خدا کے لئے ہو اور اس میں نفسانی خواہشوں کو دخل نہ ہو۔ اگر خلوت میں رہے تو

خدا سے کام رکھے اور اگر جلوت میں رہے تو خدا کی طرف متوجہ رہے پس ایسا شخص منقطع الی اللہ ہے اور آیت وتبتل الیہ تبتیلا کا مورد ہے۔ غرض رہبانیت سے طبعی خواہشوں کا ترک مراد ہے اور ترک دنیا سے ارادی خواہشوں کا ترک مقصود ہے اسی واسطے شریعت محمدیہ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ لارھبانیۃ فی الاسلام کیونکہ طبعی خواہشوں کا ترک مثلاً آرام و مناکحت کا ترک طبعیت کو نظام طبعی سے ساقط کر دیتا ہے چونکہ طبعی حرکات کا ترک محال ہے لہذا شریعت مطہرہ محمدیہ نے اس کی تکلیف نہیں دی اور ان ارادی خواہشوں کے ترک پر اکتفا فرمایا جن کے جریان میں قانون الٰہی سے انحراف نہیں ہے پس ترک دنیا میں رہبانیت نہیں ہے فتشکروا کن من التارکین

ہم نے ترک دنیا میں جو کچھ بحث کی ہے وہ عام محققین کے اصول کے موافق کی ہے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترک دنیا کے وہ معنی بیان کئے جائیں جو ہمارے پاس ثابت ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن کان یرجو القاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا (الکہف:۱۱۰) اس کے یہ معنی ہیں کہ جس کو اپنے پروردگار کے دیدار کی تمنا ہو اس پر واجب ہے کہ عمل صالح کرے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ جانے۔ اہل تفسیر نے عمل صالح سے نماز وغیرہ مراد لی ہے مگر درحقیقت انھوں نے عمل صالح کے معنی بیان کرنے میں پورا غور نہیں کیا۔ عمل صالح سے وہ عمل مراد ہے کہ اس میں صرف صلاح و خیر ہو اور کسی دوسری چیز کی اس میں آمیزش نہ ہو ورنہ وہ عمل کامل طور سے صالح نہ ہوگا بلکہ وہ صلاح و فساد سے مرکب ہوگا پس ضرور ہے کہ اس میں کسی وجہ سے اور کسی اعتبار سے فساد نہ ہو۔ اس صورت میں عمل صالح سے مراد ترک شرک ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا سے کی ہے اس حالت میں ولا یشرک بعبادۃ ربہ الخ میں جو واو ہے وہ عطف تفسیری ہے پس فلیعمل عملا صالحا اور ولا یشرک بعبادۃ ربہ سے ایک ہی امر مراد ہے اور ترک شرک ہے اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ کے دیدار کا آرزومند وہ شخص ہو سکتا ہے جو تارک شرک ہو یعنی کسی جہت سے ذات باری کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو۔

واضح ہو کہ شرک کی دو قسم ہیں۔ ایک شرک جلی، دوسری شرک خفی۔ پہلی قسم کے معنی تو صاف

خاہر ہیں یعنی شرک جلی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ رزق اور خلق اور عبادت میں مخلوق کو بھی شریک کرے یا تثلیث کا اعتقاد رکھے جس طرح کہ نصاریٰ رکھتے ہیں یا یہ اعتقاد رکھے کہ خیر یعنی نیکی کا فاعل خدا ہے۔ اور شر یعنی بدی کا فاعل اہرمن ہے چنانچہ مجوس کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ یا یہ اعتقاد رکھے کہ موجودات کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے اور ان کا رزق دینے والا دوسرا خدا ہے اور ان کو فنا کرنے والا تیسرا خدا ہے چنانچہ مشرکین ہند کا یہی مذہب ہے یا یہ اعتقاد رکھے کہ خدائے تعالیٰ اپنے بعضے بندوں میں حلول کرتا ہے جیسا کہ مشرکین اپنے اوتاروں پر یہی اعتقاد رکھتے ہیں اور گروہ مسلمانوں میں شیعہ غالیہ کا بھی یہی اعتقاد ہے اور بعضے ملاحدہ کا بھی خیال ہے کہ ان کے ہادیوں اور مرشدوں میں اللہ تعالیٰ حلول ہوتا ہے اسی وجہ سے اپنے مرشدوں کو سجدہ کرتے ہیں یہ سب مشرکین اور کفار ہیں اور آتش پرستوں اور ستارہ پرستوں کی یہی کیفیت ہے کہ ان کے اعتقاد میں آتش اور ستارے فاعل مستقل ہیں پس ان کے کفر میں شک نہیں ہے۔ یہ لوگ آخرت میں خدا کی رحمت سے محروم ہیں۔ غرض جو شخص شرک جلی سے بچے وہ شخص مومن شرعی ہے۔ مگر مومن حقیقی وہ شخص ہے جو شرک خفی سے بھی بچے شرک خفی سے بچنا مشکل ہے کیونکہ ہر شخص اسباب پر نظر رکھتا ہے اور ہر فعل حادث کو اسباب کی طرف منسوب کرتا ہے تو بالضرور مشرک خفی ہوگا اسباب پر سے نظر اٹھا دینا اسی شخص کا کام ہے جو عارف باللہ ہو اور اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے سوائے کسی چیز کا علم نہ ہو پس وہ شخص مومن حقیقی ہے اور یہی شخص اللہ تعالیٰ کے دیدار کا آرزومند رہ سکتا ہے غرض عمل صالح سے تارک شرک مراد ہے ہمارے پاس تارکین شرک میں وہ شخص کامل ہے جس کو اپنی خودی سے بھی غفلت ہو۔ یعنی اس کی خودی بالکل فنا ہو جائے اور اطلاق اس کی سیرگاہ ہو۔ اس صورت میں تارک شرک خفی اور تارک دنیا کا ایک ہی مفہوم ہوگا پس وہی شخص تارک دنیا ہوگا جو تارک شرک خفی ہے اور وہی شخص تارک شرک خفی ہوگا جو تارک دنیا ہے اسی واسطے امام مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ عمل صالح سے ترک دنیا مراد ہے اور ترک دنیا سے ترک خودی مراد ہیں جو عین منشاء آیت ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا کا ہے۔

ہماری تقریر سے یہ امر ثابت ہے کہ جو شخص تارک خودی ہے وہی تارک دنیا ہے اور جو شخص تارک خودی نہیں ہے وہ تارک دنیا بھی نہیں ہے۔ ترک خودی کا ایک دقیق اور باریک مسئلہ ہے اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں ہے صرف اس جگہ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ذکر خفی کی تعلیم میں ترک خودی کے جو طریقے بتائے جاتے ہیں ان کو پیش نظر رکھے اور عمل کرے تو ترک خودی ہو جائے گی تاہم ذکر خفی کی واقفیت سخت مشکل ہے اور اس کے بغیر ترک خودی کا حصول محال ہے اکثر لوگ ذکر روحی وسری کو ہی ذکر خفی سمجھے ہوئے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ غرض صحیح تعلیمات کا حصول کیمیا کے حصول سے کم نہیں ہے افسوس ہے کہ بعضے اشخاص جن کو نوشت وخواند کا بھی پورا سلیقہ نہیں ہے اور نہ ان سے اس درجہ کی ریاض ظہور میں آتی ہے جس کا امام علیہ السلام نے حکم فرمایا ہے ان کا دعویٰ یہ ہے کہ مقام لاہوت سے ان کا ایک انچ بھی پیچھے ہٹنا ممکن نہیں ہے اللہ انھیں نیک توفیق دے۔

واضح ہو کہ اشتغال مع اللہ اعم مطلق اور ترک خودی اخص مطلق ہے کیونکہ جائز ہے کہ اشتغال مع اللہ ہو اور ترک خودی حاصل نہ ہو۔ چنانچہ سالک جب تک مقام قلب یا روح یا سر میں ہوگا مشتغل مع اللہ ہوگا اور تارک خودی نہ ہوگا اور جب اس کا عروج مقام خفی یا اخفی میں ہوگا تو اس کی حقیقت اس سے چھپ جائے گی اس وقت تارک خودی ہو جائے گا اور مشتغل مع اللہ بھی ہوگا غرض ہر مشتغل مع اللہ تارک خودی نہیں ہے ہم کو چونکہ ان مسائل کی موشگافی منظور نہیں ہے اور نیز یہ مسائل موضوع کتاب سے بھی علحدہ ہیں لہٰذا یہ بحث اس جگہ ختم کی جاتی ہے۔

فصل ششم

دیدارِ خدا کے بیان میں

اہل سنت نے اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت یعنی دیدار ممکن ہے۔ فلاسفہ اور معتزلہ و کرامیہ و مجسمہ رویت باری تعالیٰ کے منکر ہیں۔ فلاسفہ یعنی حکماء کا خیال ہے کہ رویت اسی چیز کی ہوتی ہے جو کثیف ہو اور جیسا جیسا کثافت گھٹتی جائے گی اس کی رویت میں نقصان ہوتا جائے گا تا آنکہ جب کوئی چیز زیادہ لطیف ہوگی تو اس کی رویت محال ہو جائے گی جب اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس سب چیزوں سے زیادہ لطیف ہے اور سب ممکن چیزوں کے وجود سے اس کا وجود جدا ہے اور مکان و زمان و جسمیت اور اس کے لوازم یعنی جہت و طول و اتحاد سے منزہ ہے تو واجب ہے کہ اس کی رویت ممتنع ہو۔

معتزلہ نے بھی اس مسئلہ میں حکماء کی تقلید کی ہے اور حصول رویت کے لئے وہی شرائط ذکر کئے ہیں جن کو حکماء نے تسلیم کیا ہے غرض حکماء و معتزلہ نے حصول رویت میں جن چیزوں کو شرط ٹھہرایا ہے وہ آٹھ ہیں۔

پہلی یہ کہ حس بصری یعنی نظر اس قابل ہو کہ وہ اشیاء کو دیکھ سکے۔

دوسری یہ کہ جو چیز دیکھی جاتی ہے اس کی رویت محال نہ ہو بلکہ جائز الرویت ہو۔

تیسری یہ کہ جو چیز دیکھی جاتی ہے یعنی مرئی آنکھ سے زیادہ قریب اور زیادہ متصل نہ ہو۔

چوتھی یہ کہ مرئی آنکھ سے زیادہ دور نہ ہو۔

پانچویں یہ کہ مرئی لطیف نہ ہو۔

چھٹی یہ کہ مرئی بہت چھوٹی نہ ہو۔

ساتویں یہ کہ دیکھنے والے اور مرئی کے درمیان کوئی کثیف چیز حائل نہ ہو۔

آٹھویں یہ کہ مرئی دیکھنے والے کے مقابلہ میں ہو۔

جب یہ شرطیں حاصل ہو جائیں گی روایت بھی حاصل ہو جائے گی کیونکہ اگر ان شرائط کے حاصل ہو جانے کے بعد رویت حاصل نہ ہو تو یہ کہنا جائز ہوگا کہ ہمارے سامنے ہزاروں آفتاب اور سینکڑوں چاند موجود ہیں مگر ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ اس بات کا کہنے والا سخت نادان اور بے انتہا احمق سمجھا جائے گا۔ غرض جب یہ شرطیں پائی جائیں گی تو رویت واجب ہو جائے گی ان مذکورہ شرطوں کے دو قسم ہیں کیونکہ ان میں سے بعض ایسی شرطیں ہیں جو خاص اجسام سے متعلق ہیں چنانچہ اخیر کی چھ شرطوں کی یہی حالت ہے جب اللہ تعالیٰ جسم و جسمانی نہیں ہے تو اخیر کی چھ چیزیں اللہ تعالیٰ کی رویت میں شرائط نہ ہوں گی پس آٹھ شرطوں میں سے پہلی دونوں شرطیں یعنی حس بصری کا سلامت رہنا اور مرئی کا جائز الرویت ہونا اللہ تعالیٰ کی رویت میں مشروط ہیں۔ یہ بات عقلاء کے پاس ثابت ہے کہ جہاں شرط موجود ہوگی وہاں مشروط موجود ہوگا کیونکہ شرط و مشروط کے درمیان استلزام ہے پس جب شرط ہوگی تو مشروط بھی ہوگا کیونکہ وجود شرط وجود مشروط کو لازم ہے۔ اور جب شرط نہ ہوگی تو مشروط بھی نہ ہوگا کیونکہ نفی شرط نفی مشروط کو لازم ہے۔ جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جب حس بصری یعنی نظر درست ہو اور اللہ تعالیٰ جائز الرویہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی رویت واجب ہو جانی چاہئے اور سب دیکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ نظر آ جانا چاہئے مگر جب کوئی دیکھنے والا یعنی صحیح حس بصری والا اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتا تو یہ یقین کرنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ممکن الرویت نہیں ہے بلکہ ممتنع الرویت ہے یعنی اس کی رویت محال ہے۔

واضح ہو کہ یہ ساری تقریر بیکار اور بے محل ہے کیونکہ جن شرطوں کا ان لوگوں نے ذکر کیا ہے وہ ساری چیزیں اجسام و جسمانیات کی رویت میں ضروری سمجھی گئی ہیں کیونکہ مذکورہ چیزوں کی رویت بغیر ان شرائط کے ہو نہیں سکتی۔ پس اگر معتزلہ اور فلاسفہ اپنے دعوے کو خاص کریں اور یہ بیان کریں کہ ہم کو جو اشیاء نظر آتی ہیں شرائط مذکورہ کے بغیر نظر نہیں آتیں تو ان کا کہنا قابل بحث نہ ہوگا مگر یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ ہر شئے کے دیکھنے کی علت یہی شرائط ہیں اور جب وہ شئے ان شرائط سے نظر

نہیں آتی تو وہ چیز ممتنع الرویت ہے یعنی اس کی رویت محال ہے۔ غرض دعوے کی تخصیص ضروری ہے۔ اشعریہ رویت باری کے قائل ہیں ان کے جواب اور ان کے بیان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی چیز کی رویت اس صورت میں ہوسکتی ہے کہ دیکھنے والے میں اور اس چیز میں جو دیکھی جاتی ہے اشتراک ہو اور اس اشتراک کے دو قسم ہیں۔

ایک وہ اشتراک ہے جو جواہر میں ہوگا

دوسرا وہ اشتراک ہے جو اعراض میں ہوگا۔

ان دونوں میں وجود مشترک ہوگا مادی جواہر میں مادہ و ہیولی مشترک ہوگا اور اعراض میں لون و رنگ مشترک ہوگا پس مادیات اور ان اعراض کی رویت میں جو مادیات کے توابع ہیں۔ امور مذکورہ شرائط ہوسکتے ہیں۔ اب رہی رویت ان جواہر کی جن سے امور مجردہ مراد ہیں شرائط مذکورہ پر موقوف نہیں ہیں کیونکہ ہر جوہر عقلی جو دوسرے جوہر عقلی کو دیکھ سکتا ہے اس کی رویت کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ وہ جوہر مجرد عقلی ہونے کی وجہ سے خاص اپنے انکشاف تام سے دوسرے جوہر عقلی کو دیکھ سکتا ہے اس صورت میں امور مذکورہ کی اس کو حاجت نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ جوہر عقلی کسی خاص صورت میں متمثل ہوتا ہے۔ اس حالت میں بھی امور مذکورہ کی اس کو حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ لطیف اور نور محض ہونے کے اعتبار سے مرئی دور ہو یا نزدیک چھوٹی ہو یا بڑی مقابل ہو یا پیچھے مرئی اور رائی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو یا نہ ہو سب چیزیں اس کے نزدیک یکساں ہیں پس جوہر مجرد کی رویت کے لئے جو کسی خاص مثال سے متمثل ہوا ہے امور مذکورہ کی شرط نہیں ہے یہی حالت ان نفوس ناطقہ کی ہے جو فیضان الٰہی اور اشراق قدسی سے منور ہوئے ہیں کیونکہ اللہ جل شانہ ان کی شان میں فرماتا ہے فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید (ق:۲۲) یعنی ہم نے تجھ سے تیرا پردہ کھول دیا ہے۔ پس تیری بصر آج تیز ہے یعنی بہت روشن ہے اس کے لئے کوئی پردہ نہیں ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ ایسی بصر کے لئے امور مذکورہ شرط نہیں ہیں۔

غرض حکماء اور معتزلہ نے مطلق رویت کے لئے امور مذکورہ کو جو شرائط ٹھہرایا ہے درست نہیں ہے کیونکہ ان چیزوں کی رویت کے لئے امور مذکورہ شرط ہوسکتے ہیں جن میں رائی و مرئی و

مادی ہوں اور اگر وہ غیر مادی اور متمثل ہوں یا وہ نفوس ناطقہ ہوں جن سے اللہ تعالیٰ نے حجاب ظلمانی دور کر دیا ہے یعنی ان کی مصفی فطرتیں ہے ہیولی کی کدورت اور طبعیت کی تیرگیوں سے پاک ہیں ان کے لئے امور مذکورہ شرط نہیں ہیں۔

معتزلہ اور حکماء سے دو غلطیاں ہوئی ہیں۔

ایک یہ کہ انھوں نے رویت مطلقہ میں امور مذکورہ کو شرط گردانا ہے پس ان پر واجب ہوا کہ شاہد کا قیاس غائب پر کریں یعنی جو چیزیں رویت شاہد میں شرط تسلیم کی گئی ہیں وہی چیزیں رویت غائب کے لئے بھی شرط گردانی جائیں۔ حالانکہ یہ تجویز غلط ہے۔

دوسری یہ کہ ان لوگوں نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفت سب ممکنات کی ذات وصفات سے جدا اور بالکل علیحدہ ہے اس تحقیق کے بعد جب انھوں نے رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ بیان کیا تو اسکی رویت کے لئے ایسی چیزیں شرط ٹھہرادیں جو مادی چیزوں کی رویت میں شرط کی گئی ہیں حالانکہ ان کے پاس یہ ثابت نہیں ہے کہ ایک متباین چیز کو دوسری متباین چیز پر قیاس کیا جائے۔ پس ان کا یہ قیاس کیونکر قابل تسلیم ہوگا۔

اشعریہ کی تقریر جو ہم نے بیان کی ہے مذکورہ شرطوں کے ضعیف کر دینے میں بری نہیں ہے تاہم انھوں نے جو یہ بیان کیا ہے کہ ''اشیاء کی رویت کے لئے امر مشترک کی ضرورت ہے اور وہ وجود ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر وجود ہی رویت کی شرط ہو تو نغمے اور آواز بھی اسوجہ سے کہ وہ موجود ہیں آنکھ سے نظر آئیں اور یہ امر ظاہر البطلان ہے مشکل یہ ہے کہ اشعریہ نے ذات باری کی کبھی ایسی تنزیہ بیان کی ہے کہ اس سے جسمیت باری تعالیٰ اور اس کے لوازم کا ابطال ہوجاتا ہے اور کبھی ذات باری کے لئے سمع و بصر و کلام ثابت کرتے ہیں جس سے ذات باری کی جسمیت اور اس کے لوازم کا اثبات ہوجاتا ہے اس کے علاوہ جب باری تعالیٰ کو جایز الرویہ ثابت کرتے ہیں تو جسمیت باری تعالیٰ کی اور بھی تائید ہوجاتی ہے غرض تنزیہ باری تعالیٰ ان امور کی نفی کرتی ہے جن سے باری تعالیٰ کی ثبوت جسمیت اور اس کے لوازم کا احتمال پیدا ہوجاتا ہے اور سمع و بصر و کلام وغیرہ کا ثبوت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ذات باری کے لئے جسمیت ثابت ہے پس اس امر میں شک نہیں

ہے کہ ان دونوں تقریروں میں منافات ہے اور نیز جب کہ اشعریہ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سمع و بصر و کلام سے موصوف ہے تو واجب تھا کہ دیگر صفات متشابہہ کا انکار نہ کرتے مگر ان کے کتب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ان آیتوں میں تاویل کی ہے جن سے ثابت ہوتا ہیکہ ذات باری تعالیٰ کے لئے وجہ۔ید۔عین وغیرہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ کہیں انھوں نے ذات باری تعالیٰ کے لئے تنزیہ ثابت کی ہے اور کہیں تشبیہ مگر شیخ ابوالحسن اشعری جو امام الاشاعرہ ہیں ان کو سمع و بصر و کلام میں بحث ہے ان کا یہ بیان ہے کہ سمیع کے معنی عالم مسموعات اور بصیر کے معنی عالم مبصرات ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے سمیع و بصیر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ عالم مسموعات و عالم مبصرات اور کلام سے کلام نفسی مراد ہے مگر دیگر اشاعرہ کا وہی مذہب ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ متکلمین اور امام الحرمین ابوالمعالی نے جواز رویت میں جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ بھی اشاعرہ کے قریب قریب ہے۔ ابوالمعالی نے اپنی کتاب ارشاد میں بیان کیا ہے کہ حواس ذات شئی کا ادراک کرتے ہیں اور ایک موجود چیز اپنے خاص احوال اور مخصوصہ صفات سے دوسری چیز سے ممتاز ہوتی ہے مگر حواس ان چیزوں کا ادراک نہیں کر سکتے اور ذات شئی سے وجود مراد لی ہے جو سب موجودات میں مشترک ہے پس حواس ہر چیز کا ادراک اس جہت سے کرتے ہیں کہ وہ چیزیں موجود ہیں۔ یہ تقریر پہلی تقریر سے بھی زیادہ فاسد ہے۔ کیونکہ بصر اگر نفس موجود کا ادراک کرتی ہے تو احوال جسم اور اس کے اعراض سے بالکل بے خبر ہوگی۔ اس صورت میں بصر سے ممکن نہیں ہے کہ وہ جسم سیاہ و جسم سفید میں امتیاز کر سکے۔ علاوہ اس کے اگر بصر نفس وجود کے سبب سے ادراک کرتی ہے تو آوازوں اور نغموں کا بھی اس وجہ سے کہ وہ موجود ہیں ادراک کرنا چاہئے اور اسی طرح ممکن ہوگا کہ قوت باصرہ سے خوشبوؤں کا اور اسی سے مذوقات کا اور اسی سے مسموعات کا ادراک ہو جائے پس یہ تقریر باطل ہے۔ حکیم ابن رشد نے رویت کے مسئلہ میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ سب متکلمین کے مخالف ہے۔ مگر جو جھگڑے رویت باری تعالیٰ کے اثبات میں عام متکلمین کے اصول پر پیش آتے ہیں ابن رشد کی تقریر پر پیش نہیں آتے حکیم ابن رشد نے یہ بیان کیا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرع نے جمہور کے مقابلہ میں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے یا جسم نہیں ہے جب شرع شریف نے اس امر کی

تصریح نہیں فرمائی ہے تو اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ جسمیت کی نفی و اثبات میں بحث کی جائے بلکہ ان امور کی تصحیح و ابطال میں ہم کو سکوت چاہئے جس کی ادراک و تحقیق میں عقل انسانی عاجز ہے اس صورت میں ہم کو ان جھگڑوں کا سامنا نہ ہوگا جو کمال تنزیہ کے ثبوت کے بعد پیش آتے ہیں۔ لہذا ابن رشد نے یہ رائے دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو نور سے موصوف کیا ہے اور یہ فرمایا اللہ نور السموات والارض (النور:۳۵) یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور نور ایسی چیز ہے کہ ادنیٰ و اعلیٰ اس کو محسوس سمجھتے ہیں اور اس کو اشرف محسوسات جانتے ہیں بلکہ نور کی وجہ سے دوسری چیزوں کا بھی ادراک کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنا نام نور رکھا ہے اور نور کی جہت سے سب اشیاء کی رویت ہوتی ہے تو اسی نور ہونے کی جہت سے اللہ تعالیٰ کی ذات بھی جایز الرویت ہوگی اور جو چیز جایز الرویت ہوگی اس کی طلب محال نہیں ہے۔ پس معتزلہ کے سارے اعتراضات جن کی بناء اصول عقلیہ پر ہے اور جن کا منشاء کمال تنزیہ ہے اس تقریر سے اٹھ گئے اور اشاعرہ کے ان تاویلات کی بھی ضرورت نہ رہی جو توجیہ و تاویل آیت لن ترانی میں پیش کرتے ہیں۔ حضرات اشاعرہ و ماتریدیہ پر معتزلہ کے اعتراض اس وجہ سے وارد ہوتے ہیں کہ وہ کہیں جسمیت باری تعالیٰ کی نفی کرتے ہیں اور کہیں جسمیت کو ثابت کرتے ہیں لہذا ان کو بے وجہ تکلفات کی تکلیف اٹھانی پڑی اور معتزلہ نے تنزیہ باری تعالیٰ کے بیان میں ایسی عقلی تقریریں کیں جن سے ہر جگہ آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ میں ان کو بے جا تاویلیں کرنی پڑیں اور ایسی تقدیریں نکالیں جن کی شرع شریف کو حاجت نہیں چنانچہ سمع و بصر و کلام میں جو صفات حقیقہ ہیں یہ تاویل کرتے ہیں کہ سمع و بصر سے علم مسموعات و مبصرات مراد ہے اور کلام سے خلق کلام مراد ہے۔ شیخ ابوالحسن اشعری نے بھی معتزلہ کا اس بات میں ساتھ دیا ہے کہ سمع و بصر سے علم باری ہی مراد ہے چنانچہ محقق دوانی نے شرح عقائد جلالی میں اس کی تصریح کی ہے چنانچہ سابق میں اس کا ذکر کیا گیا ہے مگر صفت کلام میں ان سے اختلاف کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ کلام اصل میں اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتی ہے اور اس سے کلام نفسی مراد ہے اور معتزلہ کے قول کی جس کا منشاء تقدیر خلق کلام ہے تردید کی ہے مگر یہ بات بالکل نہیں سمجھ میں آتی کہ سمع و بصر سے علم مراد لینا اور اس میں تاویل جایز رکھنا اور کلام سے کلام نفسی مراد لینا کسی دلیل کی وجہ سے ہے اور وجہ تاویل سمع و بصر کے معنی میں کونسی چیز ہے اور صفت کلام میں

کونسی چیز ہے جو مانع تاویل ہے غرض معتزلہ نے کمال تنزیہہ کے نظر کرتے رویت باری تعالیٰ کی نفی کی ہے اور اس کا محال ہونا ثابت کیا ہے اسی واسطے ان آیتوں کی جو رویت باری تعالیٰ پر دلالت کرتے ہیں تاویل کرتے ہیں چنانچہ آیت ومن کان یرجو القاء ربه فلیعمل عملا صالحا ولایشرک بعبادة ربه احدا (الکہف:۱۱۰) کی جو رویت باری تعالیٰ کے جواز پر دلالت کرتی ہے یہ تاویل کرتے ہیں کہ لقاء سے ثواب مراد ہے اور بیان کرتے ہیں کہ لقاء سے اگر دیدار خدا مراد لی جائے تو جسمیت یا اس کے لوازم ذات باری تعالیٰ کے لئے ثابت ہو جائیں گے لہذا لقاء کے لغوی معنے یعنے دیدار مناسب نہیں ہیں۔ امام رازی نے بھی لقاء کے معنے ایسے بیان کئے ہیں جن سے سیاق آیت کو بالکل علاقہ نہیں ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ لقاء ملاقات کے معنے یہ ہیں کہ اجسام کی سطحیں آپس میں مس کریں۔ امام رازی نے یہ عجیب بات بیان کی ہے جو آیت مذکورہ سے کسی طرح چسپاں نہیں ہے ناظر علم کلام پر مخفی نہیں ہے کہ ان کی ساری تاویلیں اس دعوے کی وجہ سے ہیں کہ شرائع انبیاء علیہم السلام فلسفہ سے بالکل مطابق ہیں پس اس دعوے کی بناء پر ان کے لئے واجب ہو گیا کہ مباحث فلسفیہ سے مسائل شرعیہ کو مطابق کریں اس لئے ان کو شرائع الٰہیہ میں ہزاروں تاویلیں کرنی پڑیں خلاص یہ کہ جو حکم قرآن مجید اور حدیث متواتر سے ثابت ہے عام ازینکہ وتنزیہی ہو یا تشبیہی اس پر ایمان لانا فرض ہے گو ہماری عقل اس کے معنے دریافت کر سکے یا اس کے دریافت سے قاصر رہے۔ قاضی ابن رشد اندلسی کی تقریر جو امام الفلاسفہ والمتکلمین ہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب شرع شریف نے اس امر کی تصریح نہیں کی ہے کہ باری تعالیٰ جسمیت ولوازم سے موصوف ہے یا موصوف نہیں ہے تو پھر مسئلہ رویت باری تعالیٰ کو ان پیچیدگیوں میں ڈالنا بے ضرورت ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن الوقوع ہے۔ شیخ ابونصر فارابی معلم ثانی نے بھی فصوص میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ رویت باری تعالیٰ ممکن الوقوع ہے۔ میں نے شرح عقیدہ شریف میں اس مسئلہ میں پوری بحث کی ہے اور معلم ثانی کے مذہب کی پوری توضیح کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ رویت باری تعالیٰ ممکن الوقوع ہے اسی وجہ سے اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ خدا کا دیدار دنیا میں ممکن الوقوع ہے اور دار آخرت میں واقع ہوگا یعنے مومنین اللہ تعالیٰ کو ایسا دیکھیں گے جیسا کہ چودھویں رات کے چاند کو دیکھا کرتے ہیں چنانچہ شارح مقاصد علامہ تفتازانی نے

شرح مقاصد میں ذکر کیا ہے اما الاجماع فاتفاق الامة قبل حدوث المخالفین علی وقوع الروية یعنے مخالفین کے پیدا ہونے کے پہلے امت محمدیہؐ نے وقوع رویت پر اتفاق کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حتی روی حدیث الروية احد وعشرون رجلا من کبار الصحابه رضی الله تعالیٰ عنهم یعنے رویت کی حدیث اکیس عظیم الشان صحابیوں سے مروی ہے۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ دیدار خدا دنیا میں واقع ہوا ہے یا نہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعضوں کا یہ مقولہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوئے اور بعضے صحابہؓ کو اس کا انکار ہے چنانچہ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں لکھا ہے۔ ولهذا اختلف الصحابه رضی الله عنهم فی ان النبی صلی الله علیه و سلم هل رای ربه لیلة المعراج ام لا و الاختلاف فی الوقوع دلیل الامکان اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں راویوں کا اختلاف ہوتا ہے تو یہ اختلاف اس مسئلہ کے ممکن ہونے کی دلیل ہے پس جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلعم کی حصول رویت یا عدم رویت میں اختلاف فرمایا ہے تو رویت باری تعالیٰ دوسرے اشخاص کے حق میں ممکن ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رویت باری عزاسمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دار دنیا میں حاصل اور دوسرے اشخاص کے حق میں ممکن الوقوع ہے اور جو چیز ممکن الوقوع ہے اسکی طلب محال نہیں ہے اسی واسطے امام مہدیؑ نے خدا کے حکم سے رویت باری تعالیٰ کی طلب فرض کی ہے اس وقت ہم پر یہ امر ضروری نہیں ہے کہ رویت کے معنے میں بھی بحث کریں کیونکہ یہ بحث تصوف سے متعلق ہے پس یہ مسئلہ اس کتاب کے موضوع سے جدا ہے ہم نے اس مسئلہ کی پوری توضیح شرح وحدت مطلقہ کی شرح میں کی ہے۔

واضح ہو کہ طلب رویت باری تعالیٰ جو ہمارے پاس فرض ہے اس سے یہ مراد ہے کہ رویت مطلقہ حاصل ہو کیونکہ رویت مقیدہ ہمارے پاس شرک ہے۔

فصل ہفتم

عزلت خلق کے بیان میں

سیدنا امام مہدی موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے عزلت خلق کو اپنے مصدقین پر فرض فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد کیا ہے وتبتل الیہ تبتیلا (المزمل:۸) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف پورا متوجہ ہو جا اور غیر خدا سے پورا منقطع ہو جا۔ اگرچہ یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا گیا ہے مگر باعتبار مفہوم کے اس کا حکم عام ہے ونیز فرمایا ہے۔ وذر الذین اتخذوا دینھم لعبا ولھوا غرتھم الحیوۃ الدنیا (الانعام:۷۰) یعنے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو چھوڑ دو اور ان سے جدا ہو جاؤ جنھوں نے اپنے دین کو کھیل بازی خیال کیا ہے الخ۔ اس آیت کا حکم بھی باعتبار مفہوم کے عام ہے۔ واضح ہو کہ جب ترک دنیا کو امام مہدی علیہ السلام نے خدا کے حکم سے فرض فرمایا ہے تو تارک دنیا کے لئے چونکہ یکسوئی اشد ضروری تھی لہذا عزلت خلق یعنی غیر خدا سے علیحدہ ہو جانا فرض فرمایا ہے کیونکہ جو شخص غیر خدا میں مشغول ہوگا اللہ تعالیٰ سے جدا ہو جائے گا اور اپنی خودداری اور خود پرستی میں مشغول رہے گا ایسا شخص درحقیقت تارک نہیں ہے۔ غرض تارک دنیا کے لئے عزلت خلق لازم ہے۔ پس جب ملزوم فرض کیا گیا ہے تو بالضرور لازم بھی فرض ہوگا کیونکہ لازم ملزوم سے جدا نہیں ہو سکتا ترک دنیا اور عزلت خلق میں جو استلزام ہے ترک دنیا کے مفہوم سے خود ظاہر ہے کیونکہ دنیا ہماری اصطلاح میں خودی اور خود پرستی کا نام ہے تو ترک دنیا کے معنی ترک خودی ہوں گے اور جو تارک خودی ہوگا واصل الی اللہ ہوگا اور جو واصل الی اللہ ہوگا خلائق سے منقطع ہوگا غرض جو تارک دنیا ہوگا وہ منقطع خلائق سے ہوگا۔

فصل ہشتم

توکل کے بیان میں

واضح ہو کہ جب انسان نے ترک دنیا کی تو اس کا سب چیزوں سے جدا ہونا ضروری ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ ہی سے غرض رہے گی پس اس کا اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہی ذات پاک اس کی غایت عروج ہے تو ایسے شخص پر توکل لازم ہوگا کیونکہ ترک دنیا کا عام مفہوم یہی ہے کہ ترک ماسوئی اللہ ہو اور ترک ماسوئی اللہ دو طور پر ہوگا ایک یہ کہ ماسوئی اللہ اس کی نظر میں بالکل بے حقیقت ہوں گے دوم یہ کہ ماسوئی اللہ سالک کی نظر میں معدوم ہوں گے۔ ان دونوں صورتوں میں بے حقیقت اور معدوم چیزوں پر سالک کا بھروسہ کرنا سالک کی سخت نادانی اور انتہا کی حماقت ہوگی کیونکہ جو چیزیں بے حقیقت و معدوم ہیں ان ہی چیزوں پر بھروسہ کرنا سخت جہالت ہے۔ حاصل یہ کہ ترک دنیا اور توکل میں لزوم عقلی ہے اور جب ان دونوں میں لزوم ہے تو ترک دنیا ملزوم ہوگی اور توکل لازم ہوگا جب لازم کا جدا ہونا ملزم سے محال ہے تو جہاں ترک دنیا پائی جائے گی وہاں توکل بھی پایا جائے گا چونکہ سب لوازم اور ملزومات کا ایک ہی حکم ہوتا ہے اس لئے ترک دنیا اور توکل ایک ہی حکم میں ہوں گے یعنے جب ترک دنیا فرض ہے تو توکل بھی فرض ہوگا۔ اسی واسطے امام مہدی علیہ السلام نے خدا کے حکم سے فرمایا کہ توکل فرض ہے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین (آل عمران:۱۵۹) یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ متوکلوں سے راضی رہتا ہے پس ہر انسان کا عموماً اور تارک دنیا کا خصوصاً یہ فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور اپنے سب کام اللہ تعالیٰ پر سونپ دے اور افوض امری الی اللہ کہہ کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرلے کیونکہ اللہ تعالیٰ پھر تاکید فرماتا ہے ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (الطلاق:۳) اور نیز فرماتا ہے وکفیٰ باللہ وکیلا (النساء:۸۱) ان دونوں

آیتوں کا ایک ہی مفہوم ہے یعنی جس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے اور جب تارک دنیا نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو اس پر ترک تدبیر بھی فرض ہوگی ورنہ وہ شخص تارک نہ ہوگا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے متوکل کے تین درجہ ذکر کئے ہیں۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور تدبیر بھی کرے۔

دوم یہ کہ خاص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور تدبیر چھوڑ دے جیسا کہ شیر خوار بچہ اپنی ماں پر بھروسہ کرتا ہے اور دوسروں سے بے غرض رہتا ہے۔

سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے بھی نہ مانگے اس یقین کے ساتھ کہ جو کچھ تقدیر میں ہے وہی ہوگا اس کا خلاف نہ ہوگا۔ قسم اول تارک دنیا سے متعلق نہیں ہے اور قسم دوم و سوم تارک سے متعلق ہیں۔ اس صورت میں ہر تارک اصطلاحی متوکل ہوگا اور ہر متوکل تارک اصطلاحی نہ ہوگا۔

فصل نہم

تسویت کے بیان میں

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ تسویت کا بھی ذکر کر دیا جائے۔ اہل سنت کا یہ اعتقاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء اور خاتم النبوت ہیں آپ کا ہم مرتبہ بنی آدم میں کوئی شخص نہیں ہوا اور نہ ہوگا اور یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی افضل نہیں ہے۔

ہم کو ان دونوں مسئلوں میں بحث ہے۔ پہلے مسئلے میں ہم اس بات کے معتقد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء اور خاتم نبوت ہیں مگر ہمارے پاس یہ امر ثابت نہیں ہے کہ آپ کی نظیر ممکن نہیں ہے۔ دوسرے مسئلہ میں ہمارا یہ خیال ہے کہ خلفاء راشدینؓ میں ابوبکر صدیقؓ افضل ہیں۔ امر اول کا یہ بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس تقدیر پر کہ افضل الانبیاء اور خاتم نبوت ہیں آپ کی نظیر ممکن ہے کیونکہ ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین حال سے خالی نہیں ہے۔ واجب ہوگی یا ممکن ہوگی یا ممتنع ہوگی۔ پہلا اور تیسرا احتمال باطل ہے تو دوسرا احتمال ثابت ہو جائے گا۔ پہلا احتمال اس وجہ سے باطل ہے کہ ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر واجب ہوگی تو دو خدا ہونا لازم آئے گا۔ اور توحید باری تعالیٰ باطل ہو جائے گی پس ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجب نہیں ہو سکتی تو احتمال اول باطل ہو گیا۔ تیسرا احتمال اس وجہ سے کہ جو چیز ممتنع لذاتہ ہوتی ہے وہ عدم محض ہوتی ہے پس وہ کبھی موجود نہیں ہو سکتی اور حالانکہ ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہو گئی تو معلوم ہوا کہ ممتنع نہیں ہے تو تیسرا احتمال بھی باطل ہو گیا۔ جب پہلا اور تیسرا احتمال باطل ہو گیا تو دوسرا احتمال ثابت ہو گیا اور وہ یہ ہے کہ ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممکن ہے اور نظیر ممکن ضرور ہے کہ ممکن ہی ہو کیونکہ اس کا واجب اور ممتنع ہونا تو بدیہی البطلان ہے پس رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی نظیر ممکن ہے۔ اس صورت میں یہ امر جائز ہے کہ کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم مرتبہ ہو سکے۔ غرض کسی شخص کا مساوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا عقلاً ممکن ہے۔

نیز اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر محال ہوگی تو اللہ تعالیٰ کا عجز لازم آئے گا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ سب ممکنات پر قادر ہے تو آپ کی نظیر کے بھی جو کہ ممکن ہے پیدا کرنے پر بھی قادر ہوگا۔ ورنہ یہ کہنا لازم آئے گا بعضے ممکن چیزوں میں اس کی قدرت موثر ہے اور بعضے ممکن چیزوں میں اس کی قدرت موثر نہیں ہے اور جب یہ بات باطل ہے تو اس کا اقرار کرنا پڑے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر ممتنع نہیں ہے بلکہ ممکن ہے اور چونکہ ممکن کا وقوع محال نہیں ہے لہٰذا آپ کی نظیر کا بھی وقوع محال نہیں ہے نیز آیت الارض مثلھن (الطلاق:۱۲) سے جن لوگوں نے استدلال کیا ہے ان کا یہ بیان ہے کہ جس طرح سات آسمان ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات ہیں اور یہ بیان کیا ہے کہ جو کچھ اس زمین پر ہے دوسری زمینوں پر بھی ہے پس انسان جس طرح یہاں آباد ہیں دیگر زمینوں پر بھی آباد ہیں اور جس طرح اس زمین پر پیغمبر گزرے ہیں اس زمین پر بھی گزرے ہیں۔ پس اس زمین کی ہر ایک مثال ان زمینوں پر موجود ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال بھی ان زمینوں پر موجود ہے۔ خلاصہ یہ کہ آیت مذکورہ سے استدلال کرنے والے اس امر کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیریں دوسری زمینوں پر جو اس زمین سے علحدہ ہیں موجود ہیں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا بھی یہی خیال ہے۔

حاصل یہ کہ عقلاً نظیر رسول اللہ صلعم ممکن ہے اسی واسطے بعضے صوفیہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی نظیر یعنے آپ کا ہم مرتبہ شخص امت رسول اللہ صلعم میں ہوگا۔ چنانچہ مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی میں ذکر کیا ہے۔

گفت پیغمبر کہ ہست از امتم
کہ بود ہم گوہر و ہم ہمتم

مہدی علیہ السلام کا نظیر خاتم الانبیاء علیہ الصلاۃ والسلام ہونا بعضے حدیثوں سے جن کو ہم نے سابق میں ذکر کیا ہے ظاہر ہے۔ اول یہ کہ حدیث کیف تھلک امتی انا فی اولھا الخ سے

یہ امر ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح دافع ہلاکت امت ہیں اسی طرح مہدی علیہ السلام بھی دافع ہلاکت امت ہیں۔ چنانچہ ہم نے سابق میں اس کا ذکر کیا ہے۔ دوم یہ کہ حدیث کیف تھلک امتی انا فی اولھا الخ . اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت عام ہے اسی طرح امام مہدی علیہ السلام کی دعوت بھی عام ہے اور نیز حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ میں جو بایعوہ ولو حبوا علی الثلج سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ بایعوہ میں عام امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے جو قیام قیامت تک ہوتی جائے گی۔ سوم یہ کہ حدیث یشبہ فی الخلق اور حدیث خلقہ کخلقی سے ثابت ہوتا ہے امام مہدی علیہ السلام ہم خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چہارم کہ حدیث یختم اللہ بہ الدین سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدیؑ صفت ختمیت سے موصوف ہیں پس اس صفت سے موصوف ہونے میں بھی امام نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان حدیثوں سے اشارۃً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امام علیہ السلام نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں انہی حدیثوں کے نظر کرتے ہمارے اسلاف نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امام علیہ السلام ہم مرتبہ ہیں چنانچہ بندگی سید قاسم مجتہد القوم رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ میزان العقائد میں لکھا ہے ھذا موجز من العقیدۃ الرضیۃ من مرشدی ومولائی " دراصل جملہ مھدویان برانند کہ خاتم الانبیاء علیہ السلام و خاتم ولایت محمدی علیہ السلام یکذات و برابر اند " ۔ یعنے میرے مرشد و مولیٰ کا یہ مختصر عقیدہ ہے کہ دراصل سب مہدوی اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امام مہدی علیہ السلام ایک ذات اور برابر ہیں۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امام مہدی علیہ السلام سب صفات میں ہم درجہ ہیں مگر امام علیہ السلام نبوت و رسالت سے موصوف نہیں ہیں چنانچہ حضرت بندگی سید قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ " مھدی علیہ السلام رانبی و رسول گفتن جایز نیست " اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہے چنانچہ آیت ولاکن رسول اللہ وخاتم النبیین (الاحزاب:۴۰) اور حدیث لانبی بعدی اسی بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ غرض امام مہدیؑ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب صفات میں سوائے نبوت

ورسالت اوران کے لوازم کے تسویت حاصل ہے۔ حاصل یہ کہ دلائل عقلیہ سے جو سابق میں ہم نے ذکر کیا ہے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر ممکن ہے۔

واضح ہو کہ بعضے لوگوں کا یہ شبہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام نے یہ دعویٰ کیا ہے انی عبدالله تابع محمد رسول الله صلی الله علیه و سلم یعنے میں خدا کا بندہ ہوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہوں اور حدیث شریف میں مروی ہے قال علیه السلام المهدی منی یقفو اثری ولایخطی یعنے امام مہدی علیہ السلام میری اولاد سے ہیں میرے ہم قدم ہوں گے اور خطا نہ کریں گے۔ جب حضرت امام علیہ السلام کا دعویٰ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ آپ تابع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو آپ اپنے متبوع کے کیونکر برابر ہوں گے۔ کیونکہ علماء کا یہ مقولہ ہے کہ التابع من حیث هو تابع لایدرک المتبوع اس شبہ کا حل یہ ہے کہ امام علیہ السلام کا یہ دعویٰ کہ میں تابع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں بالکل صحیح ہے مگر یہ بات جاننی چاہئے کہ تابع کے دو قسمیں ہیں ایک تابع ناقص دوسرا تابع تام۔ تابع ناقص وہ ہے کہ اپنے متبوع کے اقوال وافعال واحوال کی پوری پیروی کرنے سے قاصر ہے یعنے بعضے امور میں اپنے متبوع کی پیروی کرسکتا ہے اور بعضے امور میں نہیں کرسکتا۔ اور تابع تام وہ ہے کہ اپنے متبوع کی پوری پیروی کرسکتا ہے ایسے شخص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پیروی اس صورت میں ہوگی کہ وہ خطا سے معصوم ہو۔ پس امام مہدی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وجہ سے تابع تام ہیں کہ آپ خطا سے معصوم ہیں چنانچہ حدیث مذکورہ کا صاف منشاء یہی ہے اور نیز ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت سے جس کو ہم نے سابق میں ذکر کیا ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مہدی علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں اور یہ ثابت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوگا وہ خطا سے معصوم ہوگا۔ غرض امام مہدی علیہ السلام چونکہ خلیفۃ اللہ ہیں معصوم ہیں اور جب آپ امام معصوم ہیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تام ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال میں ایسی پیروی کریں گے کہ اس میں کسی طرح کی خطا نہ ہوگی یعنے آپ کا قول وفعل وحال مطابق قول وفعل وحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ مگر ان اقوال وافعال میں آپ کی تبعیت درست نہ ہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

خصوصیات میں داخل ہیں۔ مثلاً چار بیبیوں سے زیادہ نکاح کرنا وغیرہ۔

اس تقریر کا خلاصہ یہ ہوگا کہ جو کمالات وملکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصالتاً حاصل تھے وہی کمالات وملکات حضرت امام مہدی علیہ السلام کو تبعاً حاصل ہوں گے۔ چنانچہ منشاء حدیث مذکور یہی ہے اب ہم بیان کرتے ہیں کہ اگر امام علیہ السلام تابع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اس تابعیت سے نسبت تسویت میں کوئی نقصان عاید نہیں ہوتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ خطاب فرمایا ہے کہ آپ سب انبیاء علیہم السلام کی ہدایت میں اقتداء کریں مگر اس اقتداء سے آپ کے افضل الانبیاء ہونے میں کوئی نقصان عائد نہیں ہوتا چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اولئک الذین هدی الله فبهد اهم اقتده (الانعام-۹۰) یعنے اللہ تعالیٰ نے سب پیغمبروں کو ہدایت کی ہے تم ان کی ہدایت کی اقتداء کرو۔ امام فخر الدین رازی نے کتاب معالم اصول الدین میں لکھا ہے امره ان یقتدی بهم باسرهم فیکون آیتابه والایکون تارکا للامر والتارک عاص وقدبینا انه لیس کذالک واذا اتی بجمیع ماتوابه من الخصایل الحمیدة فقد اجتمع فیه ماکان متفرقا فیکون افضل اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کریں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہئے کہ سارے پیغمبروں کی اقتدا کریں اور ان کے ستودہ خصائل اپنے نفس شریف میں مجتمع فرمائیں اور اگر آپ ان کی اقتداء نہ کریں گے تو تارک امر سمجھے جائیں گے معاذ اللہ اور ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تارک امر نہیں ہیں کیونکہ آپ معصوم ہیں اور جب آپ نے ان سب خصایل میں انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کی ہے جو ان میں متفرق موجود تھے تو آپ کا جامع خصایل حمیدہ ہونا ثابت ہوگیا اور سارے خصایل عالیہ اور کمالات حسنہ کا جامع اس شخص سے افضل ہوگا جس میں ان کمالات حسنہ سے کوئی ایک کمال موجود ہو۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نبی سے افضل ہیں۔ اب غور کرنے کی یہ بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منصوصی اقتداء آپ کی افضلیت کی علت ہے اور آپ کی افضلیت اس منصوصی اقتداء کی معلول ہے امام رازی نے تفسیر کبیر میں جہاں اس آیت کی تفسیر لکھی ہے اقوال مختلفہ کا بیان کرتے ہوئے یہ ذکر کیا ہے وقال آخرون المراد الاقتداء بهم فی شرایعهم

الاماخصه الدليل وبهذا التقدير كانت هذه الآية دليلا على ان شرع من قبلنا يلزمنا یعنے ایک گروہ کا یہ مقولہ ہے کہ اقتداء سے یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شرائع انبیاء علیہم السلام کی اتباع فرمائیں مگر اس چیز میں آپ کی اقتداء مسلم نہیں ہے جو کسی خاص دلیل سے مخصوص ہوگئی ہے اور اس تقدیر پر یہ آیت اس بات پر دلیل ہوگی کہ اگلی شریعتیں جو انبیاء سابقین پر اتری ہیں ہم پر لازم ہوجائیں۔ قاضی ابوبکر کا یہ خیال ہے کہ یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم السلام کی اقتداء فرمائیں اور اس کی چند وجہ ہیں۔

اول یہ کہ انبیاء سابقین کی شریعتیں آپس میں متناقض تھیں پس باوجود ان کے متناقض ہونے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احکام متناقضہ کی کیونکر اقتداء کرسکیں گے۔

امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان جو فبهداهم اقتده ہے وہ سب امور کی اقتداء کو شامل ہے مگر ان میں جو احکام آپس میں متناقض ہیں اس عام اقتداء سے مخصوص ہیں پس یہ عام مخصوص منہ البعض ہے یعنے ایسا عام ہے جس میں بعض افراد کی تخصیص ہوچکی ہے پس امور متناقضہ کے سوا دوسرے امور کی اقتداء واجب ہوگی۔

دوم یہ کہ ہدی سے دلیل مراد ہے اور انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں یعنے ان کے عمل کے طریقے موقت ہیں اس کے یہ معنے ہیں کہ ایک خاص وقت تک وہ شریعتیں تھیں اور بعد میں وہ شریعتیں منسوخ ہوگئیں اس صورت میں ان کے دلائل بھی خاص اوقات تک مفید مدعا تھے جب وہ اوقات گزر گئے ان دلائل کی اقتداء کی ضروریات باقی نہ رہی۔ اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کیونکر ثابت ہوسکے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گزرے ہوئے حوادث ممکنہ کا دوبارہ واقع ہونا ممتنع نہیں ہے پس اوقات خاصہ کا اعادہ بھی ممتنع نہ ہوگا اور انہی دلائل واحکام کی ضرورت ہوگی جن سے انبیاء سابقین نے استدلال فرمایا ہے پس حق یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں وجود دواعی وحوادث پر مبنی ہیں جب دواعی وحوادث موجود ہوں گے دلایل واحکام سابقہ کا وجود بھی ضروری ہوگا۔ لہذا ہمارے پاس کوئی حکم خدا منسوخ نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم السلام کے صفات واخلاق شریفہ

کی اقتداء فرمائیں گے تو آپ کا منصب انبیاء علیہم السلام کے منصب سے کمتر ہوگا اور بالاجماع آپ افضل الانبیاء ہیں۔ اس کا جواب امام رازی نے یہ دیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے انبیاء علیہم السلام کی اقتداء فرمائی ہے تو انبیاء علیہم السلام کے سارے کمالات وخصایل آپ کی ذات مقدس میں مجتمع پائے جائیں گے پس جو شخص جامع خصایل متفرقہ ہوگا ان لوگوں سے افضل ہوگا جن میں یہ خصایل فرداً فرداً پائے جاتے ہیں۔

غرض اس تقریر سے یہ بات ثابت ہے کہ اسی اقتداء کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں۔

واضح ہو کہ جب کمال اقتداء فضیلت کلی کی علت ہوسکتی ہے تو یہی کمال اقتداء اور اتباع تام مساوات کی کیونکر علت نہ ہوگی۔ اسی واسطے مجتہد القوم بندگی میاں سید قاسم قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ مهدی تابع تام و وارث تمام دین پیغمبر معلوم می شود بدیں جهت هم برابر است اس کے یہ معنے ہیں کہ مہدی علیہ السلام اس وجہ سے کہ آپ تابع تام رسول اللہ صلعم ہیں مساوی رسول اللہ صلعم ہیں۔ غرض مجتہد گروہ کا یہ قول اسی تقریر پر مبنی ہے جو امام رازی نے معالم اصول الدین اور تفسیر کبیر میں کی ہے۔ اس کے سوائے صفت ہدایت وختمیت میں بھی آپ کو نسبت مساوات حاصل ہے چنانچہ سابق میں اس کا بیان کیا گیا یہ بات جو بیان کی جاتی ہے کہ التابع من حیث هو تابع لایدرک المتبوع یعنے تابع اس حیثیت سے کہ وہ تابع ہے متبوع کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا اس کا حل یہ ہے کہ یہ کلیہ ہمارے مقصود کے مضر نہیں ہے کیونکہ اس کلیہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر تابع مطلق اپنی مطلق تابعیت کی حیثیت سے متبوع کے ہم درجہ نہیں ہوسکتا اور ہماری یہ بحث نہیں ہے کیونکہ ہمارے پاس امام علیہ السلام تابع مطلق نہیں ہیں بلکہ آپ تابع تام ہیں چنانچہ پہلے ثابت کیا گیا ہے پس لا یدرک المتبوع کا حکم جو مطلق تبعیت کا معلول ہے اسی صورت تک باقی رہے گا جب تک کہ تبعیت مطلقہ باقی رہے پس جہاں تبعیت مطلقہ منتفی ہوگی حکم لایدرک المتبوع بھی منتفی ہوجائے گا کیونکہ وجود علت کے بغیر وجود معلول نہیں ہوسکتا پس تابع تام کا وہ حکم نہ ہوگا جو تابع مطلق کا ہے چونکہ قول مذکور میں تابعیت مطلقہ کی حیثیت سے حکم مرتب ہوا ہے تو

ہماری بحث اس قول کے تحت میں نہ رہے گی۔ پس مہدی علیہ السلام اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تام ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت تام رکھتے ہیں اور یہی نسبت مساوات بلکہ عینیت ہے اسی واسطے صاحب گلشن راز نے لکھا:

چواواز خواجه دارد نسبت تام ازو باظاهر آید رحمت عام

غرض جب ہمارے پاس بالاتفاق امام مہدی موعود علیہ السلام تابع تام ثابت ہیں تو یہی تابعیت تامہ آپ کے مساوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے لئے کافی ہے۔

امر دوم یہ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب افراد اُمت محمدیہ سے افضل ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ کسی ایسے شخص پر آفتاب طلوع ہوا نہ غروب ہوا جو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہو اور دوسری روایت میں جو ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کی گئی ہے یہ بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء و مرسلین کے بعد کسی شخص پر سورج طلوع ہوا نہ غروب ہوا جو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہو۔ اس روایت کو عبدالرحمٰن بن حمید نے اپنی مسند اور نعیم وغیرہ نے بھی روایت کی ہے اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سارے افراد انسان میں افضل ہیں۔ اس روایت کے یہ الفاظ ہیں عن ابی الدرداء رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه و سلم قال ماطلعت الشمس ولاغربت علی احد افضل من ابی بکر الا ان یکون نبی۔ وفی لفظ علی احد من المسلمین بعد النبیین والمرسلین افضل من ابوبکر رضی الله تعالیٰ عنه علماء نے اس حدیث اور دیگر احادیث سے جو اس حدیث کے ہم معنے ہیں اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت میں افضل ہیں چنانچہ صاحب مواقف نے بھی انہی احادیث سے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت پر استدلال کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مذکور عام مخصوص منہ البعض ہے یعنے اس عام کی تخصیص ہو چکی ہے اور اس تخصیص کی وجہ سے بعضے افراد انسان حکم مذکور سے خارج ہیں۔ چنانچہ انبیاء و

مرسلین اس حدیث میں مستثنیٰ ہو چکے ہیں اور بالاتفاق یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول آخر زمانہ میں ہوگا پس آپ بھی اُمت محمدیہ میں داخل ہیں جب سب انبیاء علیہم السلام اس حکم سے مستثنیٰ ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اس تقریر سے ظاہر ہے کہ حدیث مذکور اگرچہ عام ہے مگر اس کی تخصیص ہو چکی ہے۔ جب یہ بات مفہوم ہو چکی تو اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر افراد عام سے کسی فرد کی تخصیص نہ ہوگی تو وہ عام جمہور کے پاس قطعی ہوگا۔ اور اگر عام میں تخصیص ہو جائے گا تو وہ ظنی ہوگا مگر اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔ ابوثور جو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر تلامیذ سے ہیں کہتے ہیں کہ کوئی عام تخصیص کے بعد قابل حجت نہیں رہتا اور امام ابی الحسن کرخی اور امام عیسیٰ بن ابان کا یہ مذہب ہے کہ اگر عام کی تخصیص ایسے کلام متصل سے ہوگی جو غیر مستقل ہو تو قابل حجت ہوگا اور اگر اس کی تخصیص کلام مستقل سے ہوگی تو قابل حجت نہ ہوگا۔ مگر فخر الاسلام و شمس الائمہ و قاضی امام ابی زید کا یہ مذہب ہے کہ صورت مذکورہ میں عام حجت ظنی ہوگا۔ ہم نے جو کچھ اس جگہ اختلاف آراء کا بیان کیا ہے اس کی تفصیل کتب اصول فقہ میں موجود ہے مگر مسلم الثبوت میں اس کی زیادہ توضیح کی گئی ہے۔ حنفیہ کا یہ بیان ہے کہ تخصیص ہو جانے کے بعد اگرچہ عام واجب العمل ہوتا ہے اس میں احتمال تخصیص باقی رہتا ہے کیونکہ کوئی مخصوص دلیل اگر موجود ہو جائے گی تو پھر اس عام کی تخصیص ہو جائے گی۔

اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ عام بعد تخصیص ظن کا فائدہ دے گا یعنے اس سے حکم ظنی حاصل ہوگا۔ اور اس کی قطعیت جاتی رہے گی۔ تا آنکہ مثل خبر واحد و قیاس اس کا حکم بھی ظنی ہوگا۔ پس جن حدیثوں سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب افراد اُمت محمدیہ سے افضل ہیں امر ظنی ہے پس علماء کلام نے احادیث مذکورہ کے نظر کرتے جو بیان کیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُمت محمدیہ میں افضل افراد انسان ہیں اور یہی امر معتقد بہ ہے امر ظنی ہے واضح ہو کہ ان احادیث سے جو ہم نے مجتبیٰ امام مہدی علیہ السلام میں ذکر کیا ہے چند امور ثابت ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ امام علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں۔ یہ حدیث حضرت ثوبانؓ سے ابن ماجہ اور ابونعیم نے روایت کی ہے اور جو شخص خلیفۃ اللہ ہوگا وہ خطا سے معصوم ہوگا مگر باوجود اس کے رسول اللہ صلعم

نے امام علیہ السلام کی معصومیت کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ۔ المهدی منی یقفو اثری و لایخطی

دوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گمراہی امت کے دفع کرنے کے باب میں اپنے ساتھ صرف مہدی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی اور مشکوٰۃ و رزین وغیرہ میں مذکور ہے۔ یہ حدیث اس امر میں اشارۃ النص ہے کہ امام علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام دفع گمراہی میں مساوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

سوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام علیہ السلام کی شان میں فرمایا ہے کہ مہدی علیہ السلام خاتم دین ہیں چنانچہ سابق میں اس کا بیان کیا گیا ہے غرض اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کا معصوم عن الخطاء ہونا اور خلیفۃ اللہ ہونا اور گمراہی کی مدافعت میں مثل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا اور خاتم دین ہونا اس بات پر واضح دلیل ہے کہ آپ انبیاء علیہم السلام کے حکم میں داخل ہیں اسی واسطے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فتوحات میں ذکر کیا ہے کہ مہدی علیہ السلام انبیاء علیہم السلام سے ملتحق ہیں۔ پس امام علیہ السلام بھی اسی خاص جہت سے حدیث مذکور سے مستثنیٰ سمجھے جائیں گے اور نیز یہ بات بھی لایق اظہار ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالاتفاق خلیفہ رسول اللہ صلعم ہیں اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں معصوم نہیں ہیں اور منصوصاً دافع ہلاکت امت بھی نہیں ہیں۔ اور نیز منصوصاً خاتم دین بھی نہیں ہیں اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام خلیفۃ اللہ ہیں اور اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خطا سے معصوم ہیں اور منصوصاً دافع ہلاکت امت ہیں اور نیز منصوصاً خاتم دین ہیں۔ پس یہ امر ظاہر ہے کہ خلیفۃ اللہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوگا اور جو شخص اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خطا سے معصوم ہوگا تو وہ غیر معصوم سے افضل ہوگا اور جو شخص منصوصاً دافع ہلاکت امت ہوگا اس شخص سے افضل ہوگا جو منصوصاً دافع ہلاکت امت نہیں ہے اور جو شخص منصوصاً خاتم دین ہوگا اس شخص سے افضل ہوگا جو منصوصاً خاتم دین نہیں ہے۔ پس اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ امام مہدی علیہ السلام چونکہ خلیفۃ اللہ ہیں اور اتباع رسول صلعم میں خطا سے معصوم اور منصوصاً دافع ہلاکت اور خاتم دین ہیں تو ابوبکر صدیق رضی

اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

ہم اس جگہ اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ باقی بحثیں جو اس زمانہ میں ہماری قوم میں مشہور ہیں رسالہ تسویت میں ان کو ہم نے مفصلاً ذکر کیا ہے تو اس رسالہ میں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کے فضل و کرم سے یہ رسالہ ختم ہو گیا۔ اور زیادہ تر شکر اس بات کا ہے کہ مجھ جیسے مریض کو ان دقیق مباحث اور مشکل مسائل کی موشگافیوں میں قوت عطاء فرمائی۔ میری علالت پر نظر کرتے ایسے رسالہ کی تالیف سخت مشکل ہے اب میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس رسالہ کو میرے لئے ذخیرہ آخرت فرمائے اور چونکہ میں نے خاص تائید مذہبی کے لئے اس تالیف میں محنت کی ہے۔ اس رسالہ کو میری نجات کا سبب بنادے۔

فالحمد لله رب العالمين والصلوة على محمد خاتم النبيين و محمدن المهدى خاتم الدين وعلى آلهما واصحابهم الطيبين الطاهرين

هذا بيان للناس وهدى موعظة للمتقين

حواشی

ابن عباسؓ: حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم۔ نبی کریمؐ کے چچازاد بھائی تھے۔ حضورؐ کی وفات کے وقت عمر تیرہ یا پندرہ برس تھی۔ کبار صحابہ کی صحبت میں رہے۔ عظیم مفسر قرآن اور مجتہد تھے۔ آپ کو حبر الامۃ کہا گیا۔ ایک ضخیم تفسیر ابن عباسؓ سے منسوب ہے جو مصر میں "تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ ابن عباسؓ نے بعمر ستر سال ۶۸ھ میں وفات پائی۔

ابن عربی: ابوبکر محمد بن علی بن محمد محی الدین حاتمی طائی اندلسی۔ المعروف بہ ابن عربی ۵۶۰ھ/۱۱۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ بہت سے محدثین شیوخ و اساتذہ سے استفادہ کیا۔ مختلف ممالک کی سیاحت کی بالآخر دمشق میں ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء میں وفات پائی۔ ابن عربی اپنے عہد میں صوفیہ کے سرخیل تھے۔ آپ کو "الشیخ الاکبر" کے نام سے پکارتے تھے۔ عقیدۂ وحدت الوجود اور دیگر نظریات کی وجہ سے بعض لوگ آپ کے مخالف بھی تھے۔ تصوف کے علاوہ آثار و سنن سے بخوبی واقف تھے۔ شاعر و ادیب کے علاوہ اجتہاد و استنباط کا ملکہ بھی رکھتے تھے۔ موجودہ تصانیف کی تعداد ۱۵۰ ہے جن میں اہم "الفتوحات المکیہ" اور "فصوص الحکم" اور ایک ضخیم تفسیر بھی ان سے منسوب ہے۔

ابن مسعودؓ: ابوعبدالرحمٰن عبداللہ ابن مسعودؓ جلیل القدر صحابی و عشرۂ مبشرہ میں شامل ہیں۔ بہت پہلے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہؐ کے بعد پہلے شخص تھے جس نے جہراً قرآن پڑھ کر قریش کو سنایا۔ غزوات میں شریک رہے۔ بدر میں ابوجہل کو قتل کیا۔ صحابہ میں کتاب اللہ کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کے بعد سب سے زیادہ تفسیری اقوال ابن مسعودؓ سے منقول ہیں۔ مدینہ منورہ میں بعمر ساٹھ سال ۳۲ھ/۶۵۲ء میں وفات پائی اور بقیع میں مدفون ہیں۔

ابن عمرؓ: ابوعبدالرحمٰن عبداللہ ابن عمر ابن الخطابؓ۔ آٹھ سال کی عمر میں والد محترم کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ جلیل القدر صحابی، بلند پایہ محدث۔ مکہ مکرمہ میں ۶۳ھ/۶۸۳ء کو ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ بعض نے سن وفات ۷۳ھ بتلائی ہے۔

ابن رشد اندلسی: ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد۔ اسپین کے مشہور فلسفی و حکیم، طب و قانون میں ماہر، قرطبہ کے قاضی القضاۃ رہے۔ ولادت قرطبہ ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء۔ وفات ۵۹۵ھ ۱۱۹۸ء۔ صاحب تصانیف کثیرۃ۔

ابن سینا: ابوالعلی الحسین ابن عبداللہ۔ الشیخ الرئیس ابن سینا۔ مختلف علوم قرآن، ادبیات، فقہ، منطق، ریاضی، ہیئت، فلسفہ، طبیعیات، طب اور مابعد الطبیعیات میں بے مثال مہارت تھی۔ غیر معمولی ذہین، صاحب تصانیف کثیرۃ، ولادت ۳۷۰ھ/۹۸۰ء، وفات ۴۲۸ھ/۱۰۳۷ء

ابن مسکویہ: ابوعلی احمد بن محمد بن یعقوب۔ مشہور مورخ و فلسفی۔ اخلاقیات، طب اور علم الکیمیاء میں بھی دلچسپی تھی۔ صاحب تصانیف۔ وفات ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء

ابن ماجہؒ: ابوعبداللہ محمد ابن یزید ابن ماجہ القزوینی۔ حافظ قرآن و محدث و مورخ صاحب تصانیف۔ خصوصاً حدیث میں آپ کی "السنن" شہرہ آفاق تصنیف ہے جو صحاح ستہ میں شامل ہے۔ ولادت ۲۰۹ھ/۸۲۴ء۔ وفات ۲۷۳ھ/۸۸۷ء

ابن خلدون: ولی الدین ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد الحضرمی نحو، ادب، فقہ، حدیث، منطق، فلسفہ، الٰہیات وغیرہ علوم متداولہ حاصل کیا۔ سیاسیات میں دلچسپی تھی۔ تاریخ ابن خلدون اور مقدمہ ابن خلدون مشہور تصانیف ہیں۔ ولادت تیونس ۷۳۲ھ/۱۳۳۲ء۔ وفات قاہرہ ۸۰۸ھ/۱۴۰۶ء

ابوہریرہؓ: عبدالرحمٰن بن صخر الازدی۔ جلیل القدر صحابی رسولؐ۔ طویل مدت تک آنحضرتؐ کی خدمت کی۔ سب سے زیادہ احادیث آپ سے ہی مروی ہیں۔ ان کی بیان کردہ احادیث کی تعداد پانچ ہزار سے زائد ہے۔ ۵۹ھ/۶۸۹ء میں وفات پائی۔

ابوالحسن اشعریؒ: ابوالحسن علی بن اسمٰعیل اشعری۔ علم کلام کے بہت بڑے عالم۔ حدیث فقہ کے ماہر۔ فرقہ اشاعرہ ان سے ہی منسوب ہے۔ صاحب تصانیف کثیرہ۔ ولادت بصرہ ۲۷۰ھ/۸۸۳ء۔ وفات بغداد ۳۳۰یا۳۴۰ھ۔

ابوالقاسم طبرانیؒ: ابوالقاسم سلیمان ابن احمد۔ اپنے وقت کے عظیم حافظ و محدث۔ آپ کے تین معاجم، معجم کبیر، معجم اوسط اور معجم صغیر مشہور تصانیف ہیں۔ ولادت بمقام طبریہ (شام) ۲۶۰ھ/۸۷۳ء اور وفات بعمر سو سال ۳۶۰ھ/۹۷۱ء۔

ابونعیم اصبہانیؒ: حافظ ابونعیم احمد ابن عبداللہ۔ عظیم محدث، حافظ، مورخ، صاحب تصانیف، مسند، حلیہ الاولیاء، دلائل النبوۃ اور تاریخ اصفہان مشہور ہیں۔ ولادت ۳۳۶ھ/۹۴۸ء۔ وفات ۴۳۰ھ/۱۰۳۸ء۔

ابوسعید خدریؓ: ابوسعید سعد بن مالک بن سنان۔ والدین نے اسلام قبول کرلیا تھا اس لئے مسلمان ماں باپ کے دامن میں تربیت پائی۔ آپ کے والد غزوۂ اُحد میں شہید ہوگئے۔ ابوسعید نے بھی غزوات میں شرکت کی۔ قاری قرآن تھے۔ حدیث وفقہ رسول اللہؐ اور صحابہؓ سے سیکھا۔ کثرت سے حدیثیں یاد تھیں۔ ان کی مرویات کی تعداد ۱۱۷۰ بتلائی جاتی ہیں۔ ۷۴ھ میں جمعہ کے دن وفات پائی۔ بقیع میں دفن کئے گئے۔

ابوداؤد: ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق۔ حدیث وفقہ میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ صاحب تصانیف۔ آپ کا مجموعہ احادیث "سنن ابوداؤد" صحاح ستہ میں شامل ہے۔ ولادت ۲۰۲ھ/۸۱۷ء وفات بصرہ شوال ۲۷۵ھ/فروری ۸۸۹ء

ابونصر فارابی: ابونصر محمد فارابی۔ عظیم فلسفی، ارسطو کے بعد "معلم ثانی" کہلائے۔ افلاطون اور ارسطو کے فلسفہ پر مشتمل کتاب "الجمع بین رائی الحکیمین" لکھی۔ صاحب تصانیف۔ ولادت فاراب (ترکی) وفات دمشق ۳۳۹ھ/۹۵۱ء

ابوبکر بیہقی: ابوبکر احمد الحسین البیہقی۔ عظیم محدث وفقیہ وحافظ صاحب تصانیف کثیر جس میں مشہور السنن بیہقی، دلائل النبوۃ، البعث والنشور، فضائل صحابہؓ وغیرہ ولادت ۳۸۴ھ/۹۹۴ء وفات نیشاپور ۴۵۸ھ/۱۰۶۶ء

ابوبکر صدیقؓ: ابوبکر عبداللہ بن ابوقحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب۔ حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ نے ۹۷ برس کی طویل عمر پائی اور فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا اور ۱۴ھ میں وفات پائی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلام سے قبل ایک متمول تاجر اور نہایت دیانت دار معزز شخص تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت عطاء ہوئی تو مردوں میں سے حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلے بیعت کی اور اسلام قبول کیا۔ آنحضرتؐ کے رفیق خاص اور ہمیشہ وہر حال میں ہمرکاب رہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ غزوات میں شریک رہے، آنحضرتؐ کے ایام مرض میں امامت کی خدمت انجام دی۔ حضورؐ کی وفات کے بعد خلیفہ بنے۔ سوا دو برس مدت خلافت میں مدعیان نبوت، مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی

کی اور فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا لیکن اواخر جمادی الاول ۱۳ھ کو وفات پائی۔

احمد بن حنبلؒ: ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، مشہور محدث وفقیہ۔ مسند ابن حنبل آپ کا مشہور مجموعہ احادیث ہے۔ اس کے علاوہ دوسری تصانیف بھی ہیں۔ ولادت بغداد ۱۶۴ھ/۷۸۰ء۔ وفات ۲۴۱ھ/۸۵۵ء

امام بخاریؒ: ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری، بخارا میں ۱۹۴ھ/۸۱۰ء میں پیدا ہوئے اور سمرقند کے قریب ۲۵۶ھ/۸۷۰ء میں وفات پائی۔ قرآن مجید حفظ کیا، علوم عربیہ میں پختگی حاصل کی، نو برس کی عمر میں حدیث سیکھنا شروع کیا۔ ۲۰۴ھ میں والدہ اور بھائی کے ساتھ حج کے لئے گئے اور وہیں مقیم رہ کر علم حدیث اور فقہ کا وسیع تحقیقی مطالعہ کیا۔ چھ لاکھ احادیث کی جانچ کر کے نو ہزار منتخب حدیثیں اپنی کتاب "الجامع الصحیح" میں درج کیں۔ یہ کتاب صحاح ستہ میں شامل ہے۔

امام رازی: ابوعبداللہ محمد بن عمر ابن الحسین فخر الدین رازی۔ لقب شیخ الاسلام، ولادت طبرستان ۲۵ رمضان ۵۴۴ھ/۲۴ جنوری ۱۱۵۰ء۔ وفات ہرات یکم شوال ۶۰۶ھ/۲۹ مارچ ۱۲۱۰ء۔ امام مفسر عالم معقول ومنقول الٰہیات، فلسفہ، عربی وفارسی میں کئی تصانیف مثلاً مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)، المحصول فی الفقہ، فضائل الصحابہ وغیرہ۔

امام غزالی: ابوحامد محمد الغزالی۔ لقب حجۃ الاسلام۔ ولادت طوس ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء۔ وفات ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء ماہر علم کلام، فقہ، فلسفہ، تصوف۔ تصنیفات احیاء علوم الدین، تہافت الفلاسفہ، مشکوۃ الانوار وغیرہ۔

امام شافعی: ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن الشافع۔ قریش النسب، رجب ۱۵۰ء میں غزہ میں پیدا ہوئے۔ جلیل القدر محدثین وفقہاء سے اکتساب فیض کیا۔ ائمہ اربعہ میں شمار ہوتا ہے۔ شافعی مسلک کے بانی۔ وفات رجب ۲۰۴ھ۔ تصانیف السنن۔ الام، امام الکبیر، املاء الصغیر، البویطی، مختصر المزنی۔ الرسالہ وغیرہ۔

امام مسلمؒ: ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم۔ جامع احادیث۔ آپ کی تصنیف "صحیح مسلم شریف" صحاح ستہ میں اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی تصانیف ہیں۔ ولادت نیشاپور تاریخ ولادت باختلاف روایات ۲۰۶ھ/۸۲۱ء اور وفات رجب ۲۶۱ھ/۸۷۵ء

امام الحرمین ابوالمعالی: ابوالمعالی عبدالملک ابن شیخ ابومحمد۔ شافعی فقیہ ومجتہد۔ علم الکلام ولسانیات

میں ماہر، مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں قیام کی وجہ سے امام الحرمین کہلائے۔ صاحب تصانیف کثیرہ۔
ولادت محرم ۴۱۹ھ فروری ۱۰۲۸ء وفات نیشاپور ربیع الآخر ۴۷۸ھ اگست ۱۰۸۵ء

ام المومنین ام حبیبہؓ: رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب۔ والدہ حضرت عثمانؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ پہلے عبداللہ بن جحش سے نکاح ہوا۔ حبش کو ہجرت کے بعد عبیداللہ نے عیسائی مذہب اختیار کیا اور وہیں انتقال ہوگیا۔ ام حبیبہؓ اسلام پر قائم رہیں۔ بعدازاں آنحضرتؐ نے نجاشی کی خدمت میں نکاح ثانی کا پیام بھیجا، حبش میں نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ مدینہ تشریف لائیں۔ فطرۃً نیک مزاج تھیں۔ حدیث کی کتابوں میں (۶۵) روایتیں منقول ہیں۔ اپنے بھائی معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں بعمر ۷۳ برس ۴۴ھ میں وفات پائیں۔

ام المومنین ام سلمہؓ: ہند بنت ابی امیہ سہیل بن المغیرہ۔ عبداللہ بن عبدالاسد سے نکاح ہوا تھا جو ابو سلمہؓ کے نام سے مشہور تھے۔ آغاز نبوت میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کرکے مدینہ میں آئیں۔ غزوۂ احد میں لگے زخموں سے ان کے شوہر ابو سلمہؓ کی وفات ہوگئی۔ بعدازاں آنحضرتؐ کی زوجیت میں آئیں۔ ۶۲ھ میں شامی لشکر کی پیش قدمی اور خسف بیدا کی حدیث حضرت ام سلمہؓ سے ہی مروی ہے۔ ۶۳ھ میں بعمر ۸۴ سال وفات پائیں۔

آمدیؒ: ابوالحسن سیف الدین علی التغلبی۔ فقیہہ حنبلی ثم شافعی ولادت ۵۵۱ھ صاحب تصانیف۔ وفات دمشق ۶۳۱ھ/۱۲۳۳ء۔ فلسفہ میں ارسطو کی مخالفت کی۔

انس بن مالکؓ: ابوحمزہ انس بن مالک۔ رسول اللہؐ کے خادم خاص۔ پورا گھر نور ایمان سے منور تھا۔ غزوات میں شریک رہے۔ حدیث و فقہ میں کمال حاصل تھا۔ بیشتر احادیث آپ سے مروی ہیں۔ ۱۰۳ سال کی عمر میں ۹۳ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔

تفتازانی: سعدالدین مسعود بن عمر، بلاغت، لغت، منطق، تفسیر، علم کلام، فقہ، مابعدالطبیعیات کے مشہور عالم ہیں۔ عربی و فارسی میں کثیر تصانیف ہیں۔ ولادت تفتازان (خراسان) ۷۲۲ھ/۱۳۲۲ء وفات سمرقند ۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء

ترمذیؒ: ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی۔ امام بخاری و امام مسلم وغیرہ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ حدیث میں ان کی دو کتابیں مشہور ہیں۔ جامع ترمذی جو صحاح ستہ میں شامل

ہے اور "شمایل المحمدیہ" جس میں رسول اللہؐ کے حالات و خصائل سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں۔ ولادت بمقام ترمذ ۲۰۹ھ۔ وفات رجب ۲۷۹ھ

ثوری: ابوعبداللہ سفیان الثوری ابن سعید ابن مسروق۔ وطن کوفہ امام اعمش اور ابواسحاق سبیعی سے اکتساب فیض کیا۔ امام سفیان ثوری کو تیس ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ انھیں حدیث میں امام کا درجہ حاصل تھا۔ ائمہ حدیث و فقہ نے آپ کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ ولادت ۹۵ھ/۷۱۳ء اور وفات ۱۶۱ھ/۷۷۸ء بصرہ۔ بعض تصانیف کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثلاً الجامع الکبیر فی الفقہ، الجامع الصغیر، کتاب التفسیر وغیرہ۔

حضرت خدیجہؓ: ام ہند خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی: عام الفیل سے ۱۵ سال قبل پیدا ہوئیں۔ پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ پہلے ابو ہالہ سے نکاح ہوا ان کے بعد عتیق بن عابد مخزومی کے عقد نکاح میں آئیں۔ والد اور شوہر کی وفات کے بعد سخت وقت پیش آئی۔ ذریعہ معاش تجارت تھا۔ اپنے اعزہ کو معاوضہ دے کر مال تجارت بھیجتی تھیں۔ ایک بار حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ کو پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام جائیں اس کا مناسب معاوضہ دوں گی۔ آپؐ نے قبول فرمالیا۔ اس وقت زیادہ منافع ہوا۔ حضرت خدیجہؓ کی دولت، شریفانہ اخلاق نے قریش کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا لیکن انھوں نے آنحضرتؐ کو شادی کا پیغام بھیجا جو آپؐ نے منظور فرمایا۔ ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ اس وقت آنحضرتؐ کی عمر پچیس سال تھی جبکہ خدیجہؓ چالیس برس کی تھیں۔ یہ بعثت سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے۔

دوانی: جلال الدین محمد ابن اسعد۔ فلسفہ، ادب و تصوف پر عربی میں کئی کتابیں تصنیف کیں اور کئی کتابوں کی شرحیں لکھیں۔ فارس کے قاضی تھے اور "مدرسۃ الایتام" کے پروفیسر رہے۔ ولادت دوان ضلع قازرون ۸۳۰ھ/۱۴۲۷ء۔ وفات شیراز ۹۰۷ھ/۱۵۰۱ء

حاکم: ابوعبداللہ محمد ابن عبداللہ۔ اپنے وقت کے عظیم محدث، فقیہہ، صاحب تصانیف کثیرہ۔ ولادت نیشاپور ۳۲۱ھ/۹۳۳ء۔ وفات ۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء

سعد بن ابی وقاصؓ: ابواسحاق سعد ابی وقاص مالک بن وہب۔ رشتہ میں ننہال کی طرف سے آنحضرتؐ کے ماموں تھے۔ انیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ غزوات نبوی و مابعد جنگوں میں شریک رہے۔ ۵۵ھ میں وفات پائی۔ علمی پایہ نہایت ارفع تھا۔ رسول اللہؐ سے راست تحصیل علمی کی۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب سعد کوئی حدیث روایت کریں تو پھر اس کے

حقیقت کسی دوسرے سے نہ پوچھو۔

شہاب الدین سہروردی: شہاب الدین یحییٰ بن حبش بن امیرک۔ فلسفہ و تصوف کی تعلیم پائی۔ شافعی المذہب، فلسفہ تصوف اور مذہب تینوں کو ملا کر ایک نیا نظریہ مذہب و اخلاق پیش کیا۔ ان کی تصنیف "حکمۃ الاشراق" مشہور ہے۔ افلاطونیت جدیدہ کو نیا رنگ دے کر فلسفہ کو ایک جدید راہ پیدا کی جسے حکمت اشراق کہتے ہیں اسی لئے انھیں شیخ الاشراق اور جماعت اشراقین کا مؤسس کہا جاتا ہے۔ ولادت ۵۳۹ھ/۱۱۵۳ء۔ وفات ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء

شیخ دانیال: شیخ دانیال اہل اللہ بزرگ اور عالم تھے۔ جونپور میں ان کا ایک مدرسہ تھا۔ خضر علیہ السلام کی صحبت سے فیض یافتہ تھے۔ حضرت سید محمد جونپوری کی ابتدائی تعلیم اسی مدرسہ میں ہوئی۔ بڑے بڑے علماء نے آپ کی ذکاوت، علمیت و نکتہ سنجی سے متاثر ہو کر کمسنی میں اسد العلماء کا خطاب دیا۔ قدس شیخ دانیال نے آپ کو سید الاولیاء کہا اور مہدی موعودؑ ہونے کی تصدیق کی۔ ان کا مزار جونپور میں موجود ہے۔

نسائی: ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی نسائی۔ نساء، خراسان کا ایک مشہور شہر ہے۔ جامع احادیث، آپ کی تصنیف "سنن نسائی" صحاح ستہ میں شامل ہے۔ ولادت ۲۱۵ھ/۸۳۰ء۔ وفات ۳۰۳ھ/۹۱۵ء

معتزلہ: اعتزال کے داعی اول واصل بن عطا نے جمہور امت کی رائے کے خلاف یہ رائے دی کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ تو کافر ہے نہ مومن فاسق بلکہ دونوں کے درمیان ایک دوسری منزل ہے۔ چنانچہ امام حسن بصریؒ نے اس کو اپنی مجلس سے نکال دیا اور وہ ان سے کنارہ کش ہو گیا جس کو عربی میں اعتزال کہتے ہیں۔ دوسری صدی ہجری کا سب سے بڑا فتنہ یہی اعتزال تھا۔ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ انسان خود اپنے اچھے برے اعمال کا خالق ہے۔ چند فلسفیانہ خیالات اور عقائد کو نظر انداز کر کے دیکھا جائے تو اس فرقہ کے لوگوں نے علم دین کی بے بہا خدمت انجام دی ہے۔

صاحب معالم: تفسیر معالم التنزیل مفسر کا نام ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی ہے۔ بغ خراسان کا ایک شہر ہے۔ بغوی شافعی المسلک محدث، مفسر اور فقیہ تھے۔ آپ کا لقب محی السنہ ہے۔ بڑے عابد زاہد اور متقی بزرگ تھے۔ ۱۰ شوال ۵۱۰ھ میں بعمر اسی سال وفات پائی۔

مطبوعات علامہ شمسیؒ ریسرچ اکیڈمی

حضرت علامہ سید اشرف شمسیؒ

حضرت علامہ بحر العلوم اشرف العلماء ابو شریف سید اشرف شمسیؒ ایک ذی علم و متوکل گھرانہ میں ۵ رصفر ۱۲۸۰ھ م ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے۔ والد محترم کا اسم گرامی حضرت سید علی اور جد اعلیٰ کا نام حضرت سید اشرف عرف عالم اچھا میاں تھا جو بندگی میاں سید یداللہ قدس سرہ کی اولاد سے تھے۔ ۹ رسال کی عمر میں شفقت پدری سے محروم ہوگئے۔ آپ برادر بزرگوار حضرت سید محمودؒ کے زیر سایہ پرورش پاتے رہے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مختلف نامور علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جن میں حضرت علامہ سید نصرتؒ، مولوی میر صادق علیؒ، مولوی حافظ سید داؤدؒ، جامع العلوم خاں علامہ مولوی عباس علی خاںؒ پنجابی، سید اللہ بخشؒ اور علامہ عبدالصمد خاںؒ قندھاری وغیرہ شامل ہیں۔ آپ نے صرف ونحو، ادب، بلاغت، عروض، منطق، حکمت، مناظرہ، کلام، فلسفہ، حدیث، اصول حدیث، فقہ، فرائض، اصول فقہ، تفسیر، طب، ریاضی، نجوم اقلیدس وغیرہ وغیرہ پر عبور حاصل کیا۔ مولانا قاری محمد ابراہیمؒ سے قرأت سبعہ کی تحصیل کی اور اپنے برادر بزرگوار سے علم تصوف وسلوک کی تعلیم پائی۔

۲۶ رشوال ۱۳۰۴ھ کو مولانا عباس علی خاں صاحب نے مکہ مسجد میں اپنے شاگردوں کی دستار بندی کا جلسہ منعقد کیا جس میں شہر کے مشہور علماء شریک تھے۔ حضرت شمسیؒ بھی دستار بندی سے ممتاز ہوئے اور اپنے ساتھیوں میں یہ خصوصیت پائی کہ سند میں آپ کو "بحر العلوم" کے خطاب سے مخاطب کیا گیا اور خاں علامہ نے سر مجلس اپنی قبا عنایت فرمائی۔ علامہ عبدالصمد خاں صاحب قندھاری نے اپنی سند دیتے وقت اپنے ولایتی لہجہ میں فرمایا کہ "تیری بڑی سند یہی ہے کہ تو مذکورہ علوم کو اچھی طرح پڑھا سکتا ہے"۔ علامہ شمسیؒ قدرتی طور پر بلند پایہ شاعر پیدا ہوئے تھے۔ ایک ہی نشست میں عربی اور فارسی کے سینکڑوں اشعار لکھ دینا ایک معمولی بات تھی۔ مشاغل علمیہ کا یہ حال کہ ہر وقت پڑھنے یا پڑھانے میں مصروف رہتے تھے۔ مدرسہ دار العلوم اور اس کے بعد جامعہ عثمانیہ سے وابستہ رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صرف اشاعت علم ہی آپ کا مقصد حیات تھا۔ قائد ملت نواب بہادر یار جنگ علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں مولانا کا دولت کدہ طالبان علم کا کعبہ تھا۔ علم وفضل کا یہ آفتاب ۲۶ رمحرم ۱۳۴۹ھ م ۱۹۳۰ء روز سہ شنبہ غروب ہوگیا۔ لیکن تلامذہ وتصانیف کے ذریعہ اس کی ضیاء پاشیاں آج بھی جاری ہیں۔ مولانا کی کئی تصانیف ہیں جن میں سے بعض زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہیں اور اکثر طباعت کی منتظر ہیں۔ عربی میں شرح معدن الادب، تحریر العقائد، المنطق، الاجماع، شرح اصول الروایہ، شرح فقہ اکبر، حاشیہ عقائد جلالی، تفسیر لوامع البیان اور اس کا مقدمہ قابل ذکر ہیں۔ بلند پایہ تفسیر لوامع البیان دیکھ کر شیخ الجامعۃ الازہر نے کہا تھا کہ یہ کسی عجمی کا کلام معلوم نہیں ہوتا۔ فارسی میں شرح میزان العقائد، شرح عقیدۂ شریفہ، آئینہ سوز وساز شمسی، مجموعہ غم طراز شمسی، قصائد شمسی اور فرہنگ سفرنامہ شاہ ایران وغیرہ۔ اُردو میں رسالۂ دعا، العقائد چار حصہ شرح مکتوب ملتانی، رسالہ ایصال ثواب، القول المختصر، ترجمہ القول المحمود، شرح توضیح الکلام، الحیات بعد الممات، رسالۂ عروض، سوانح فارابی، السماع، رسالۂ ضرورت مہدی، ضرورت تفسیر، رسالہ تہذیب اخلاق، تلخیص اشارات، رسالۃ المعراج، اصلاح الظنون فی جواب ابن خلدون اور تلخیص النحو وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ رسالۃ المعراج میں نہ صرف معقولات ومنقولات بلکہ سائنسی دلائل کے ساتھ جسمانی معراج کے ثبوت میں بحث کی گئی ہے۔ اس منفرد رسالہ کے مطالعہ کے بعد کسی اور رسالہ کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ اصلاح الظنون میں ابن خلدون کی انکار ضرورت مہدی کی مباحث کا مدلل جواب دیا گیا۔ تلخیص النحو عربی نحو کی تمام کتب متداولہ کا نچوڑ ہے۔

شیخ حامد ساجد